الحمد لله

رسالہ جدیدہ و ذخیرہ مفیدہ

مسماۃ بہ

"حضرت سکینہؑ"

جسمیں حضرت سید الشہداء علیہ الصلوٰۃ و السلام کی چھوٹی صاحبزادی جناب سکینہؑ کے حالات زندگی درج کئے گئے ہیں

مصنفہ

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

مدیر جریدہ مبارکہ الاصلاح

مطبع اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

میں چھپکر شایع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
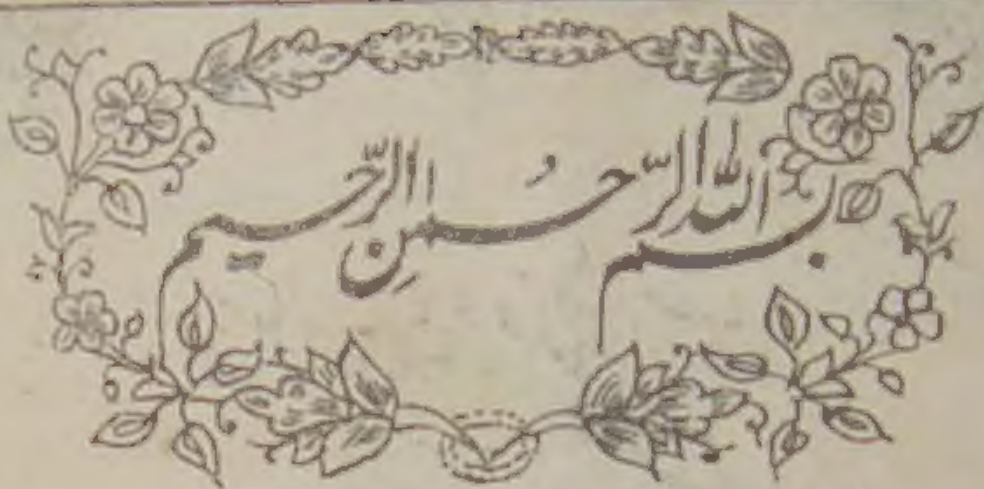
الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و مولانا ابی القاسم محمد و آلہ الطیبین الطاہرین۔

دیباچہ

احقر علی حیدر عفی عنہ ابن حضرت فخر المحققین صدر المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین ظہیر الملۃ والدین مولانا السید علی اظہر صاحب قبلہ دام ظلہ العالی عرض کرتا ہے کہ ۳۵ سال گزرے لکھنؤ کے مشہور ناول نویس جناب مسٹر عبد الحلیم صاحب شرر اڈیٹر رسالہ دلگداز (لکھنؤ و حیدر آباد دکن) نے اپنے ماہوار رسالہ مذکورہ میں حضرت سید الشہداءؑ کی چھوٹی صاحبزادی جناب سکینہ ؑ کے حالات زندگی بطور ناول شایع کر کے مسلمانوں میں ہیجان عظیم پیدا کر دیا تھا۔ اُس کا متعدد مگر مختصر جواب اُسی زمانہ میں کئی علماء اہلسنت نیز شیعوں کے ایک عالم جلیل نے شایع کیا اور ایک مفصل جواب ہمارے چھوٹے برادر عزیز و اغر ذوالفضل الازہر والشرف الاباہر مولوی سید محمد حیدر صاحب مرحوم کی طرف سے مسمی بہ "جواب شرر" شایع ہوا جس نے شرر صاحب کے ایک ایک لفظ کی رد لکھکر اور تاریخی تحقیقات اور محدثانہ معلومات کا قابل قدر ذخیرہ مہیا کر کے پورے ناول کی دھجیاں اڑا دیں۔ جس سے مسلمانوں کے قلوب کا گہرا زخم اچھی طرح مندمل ہو گیا۔ کتاب مذکور دو مرتبہ چھپکر شایع ہوئی اور ابھی اسکے تیسری دفعہ چھپنے کا سامان نہیں ہوتا تھا کہ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ ہجری کو برادر مرحوم کا انتقال ہو گیا۔ اس حادثہ فاجعہ سے مومنین کے علم دوست طبقہ کو جو صدمہ ہوا اُس کا مختصر اندازہ فاضل محترم

جناب مولوی سید حامد حسین صاحب عشروی مولوی فاضل و منشی فاضل ہڈ مولوی گورنمنٹ اسکول ایٹہ (صوبہ متحدہ) کی اُس قابل قدر تحریر سے ہو سکتا ہے جو اخبار سرفراز لکھنؤ میں اسی وقت شایع ہوئی تھی۔ اور وہ حسب ذیل ہے۔

"موت العالم موت العالم | ایں سانحہ عظیم کہ گویند جواں مرد۔ کس قلم سے لکھوں کہ صوبہ بہار۔ نہیں بلکہ ملت جعفری کی مایۂ ناز ہستی مدیر رسالہ الشمس خلف صالح حضرت فخر الحکماء دام ظلہ۔ برادر خورد مدیر اصلاح جنکی ذات ستودہ صفات یگانہ زمانہ اور اپنے امثال واقران میں منفرد تھی۔ جنکے لئے کل تک ہم دعاے صحت کرتے تھے۔ آج اُن کے لئے دعاے مغفرت کی ضرورت پڑ گئی۔ آہ کس قلب سے لکھوں کہ زبدۃ العلماء مولانا سید محمد حیدر مرحوم (مدیر الشمس) اُن یگانہ روزگار میں تھے جن کا علم و عمل ایک تھا۔ مرحوم ایک عرصے سے علیل تھے لیکن کسی وقت بھی باوجود علالت شدید علمی و مذہبی خدمات سے غفلت نہ برتی۔ مرحوم کی موت علمی اور مذہبی دنیا کا وہ رخنہ ہے جس کا تدارک تقریباً محالات سے ہے۔ مرحوم ۱۲ اکتوبر سنہ ۲۶ء ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ سہ شنبہ صبح کو بزرگ فخر قوم و ملت اپنے مریض باپ جناب فخر الحکماء دام ظلہ اور عالم ربانی اپنے بڑے بھائی نیز دوسرے اعزہ کو داغ مفارقت دیکر عالم جوانی میں راہی خلد بریں ہوئے۔ خداوند عالم مرحوم کے اعزہ کو صبر جمیل کرامت فرمائے اور مرحوم کو غریق رحمت فرمائے۔ بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

مومنین کرام سے اس جلیل القدر عالم کے لئے جسکے بہت سے احسانات قوم پر ہیں دعاے مغفرت۔ مجلس عزا۔ نماز ہدیہ کا امیدوار ہوں۔

شریک غم احقر حامد حسین رضوی عشروی (مولوی فاضل و منشی فاضل) از موضع عشری خرد ڈاکخانہ حسن پورہ ضلع سارن۔" (منقول از اخبار سرفراز لکھنؤ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ)

اسی طرح ملک کے دوسرے اخباروں اور ماہوار رسالوں میں بھی مرحوم کی خبر وفات بہت دردناک عبارتوں میں شایع کیگئی اور مومنین کے علم دوست طبقہ نے اس حادثہ پر پورا ماتم کیا۔

رحمہ اللہ تعالے واعلے درجاتہ بحق محمد وآلہ الطاہرین۔

حضرت سکینہؑ

اسم گرامی جناب معظمہ کا اسم گرامی سُکَیْنَہ مشہور ہے جسکو بعض لوگ غلطی سے سَکِیْنَہ پڑھتے ہیں۔ عربی لغت کی مشہور کتاب صراح میں ہے "سُکَیْنَہ دختر حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم یعنی سُکَیْنَہ حضرت امام حسینؑ کی بیٹی تھیں" (صراح مطبوعہ لکھنؤ ۱۷۰) اور منتہی الارب میں ہے سُکَیْنَہ کَجُہَیْنَہ دختر حسین بن علی رضی اللہ عنہم یعنی جُہَیْنَہ کے وزن پر سُکَیْنَہ اُن صاحبزادی کا نام تھا جو حضرت امام حسینؑ کی بیٹی تھیں (مطبوعہ لاہور جلد ۲ صفحہ ۸۵۷) اور قاموس میں ہے کَجُہَیْنَہ بنت الحسین بن علیؑ یعنی سکینہ بروزن جہینہ حضرت امام حسینؑ کی بیٹی تھیں (قاموس مطبوعہ بمبئی صفحہ ۸۲۵) اور اسلامی حدیثوں کو جن راویوں نے بیان کیا ہے یا اُن حدیثوں میں جن لوگوں کا ذکر آیا ہے اُن کے ناموں کے اعراب کی تحقیق میں علامہ شیخ محمد طاہر کی ایک قابل قدر کتاب مغنی ہے جس سے ان لوگوں کے نام کے فتحہ۔ کسرہ۔ ضمہ کا پتا آسانی سے چل جاتا ہے۔ اس کتاب میں بھی ہے سُکَیْنَہ رضی اللہ عنہا بنت الحسینؑ بن علیؑ بسین وکاف وزن مصغرا یعنی سکینہ دختر امام حسینؑ کا نام سین۔ کاف اور نون کے ساتھ ہے تصغیر کے وزن پر (کتاب مغنی برحاشیہ تقریب التہذیب مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۷۳)۔ یہ تو لفظ سکینہ کی تحقیق تھی۔ مگر اکثر کتابوں میں ہے کہ یہ آپ کا نام نہیں بلکہ لقب تھا چنانچہ وہی ابوالفرج اصفہانی جنکی کتاب اغانی کی غلط روایت پر مسٹر عبدالحلیم صاحب شرر نے اپنے فتنہ کی عظیم الشان عمارت کھڑی کی ہے۔ اپنی اسی کتاب آغانی میں لکھتے ہیں واسم سکینہ امیمہ وقیل امینہ وقیل امیہ۔ وسکینہ لقب لقبت بہ یعنی جناب سکینہ کا اصلی نام امیمہ تھا۔ اور بعض لوگوں نے امینہ۔ اور بعض لوگوں نے امیہ نام بتایا ہے رہا سکینہ تو یہ آپ کا لقب تھا جس سے لوگ آپکو پکارتے تھے (اغانی مطبوعہ مصر جلد ۱۴ صفحہ ۱۶۳)

پھر لکھتے ہیں۔ عن ابن الکلبی عن ابیہ قال قال لی عبد اللہ بن الحسن

اسم سکینۃ بنت الحسین۔ فقلت لہ سکینۃ۔ فقال لا۔ اسمہا آمنۃ یعنی ابن الکلبی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ اُس نے کہا مجھ سے حضرت امام حسنؑ کے پوتے جناب عبداللہ نے پوچھا کہ جانتے ہو جناب سکینہ کا اصلی نام کیا تھا؟ میں نے کہا ہاں جانتا ہوں سکینہ ہی نام تھا تو کہا نہیں بلکہ اُن کا نام آمنہ تھا (اغانی جلد ۱۴ صفحہ ۱۶۴) اگر غور کیا جائے اور ہم انصاف سے کام لیں تو جناب سکینہ کے نام ہی کے متعلق ان اختلافات سے اُن تمام قصوں کی حقیقت واضح ہو جا سکتی ہے جو شرر صاحب نے اپنے ناول میں گڑھ کر مسلمانوں کو اذیت پہونچائی ہے۔ کیا وہ حضرت سکینہؑ جن کے بارے میں شرر صاحب نے لکھا ہے "انھیں رباب کے بطن سے جناب سکینہ پیدا ہوئیں۔ جو پارسا۔ پاک دامن ہونے کے ساتھ نہایت ہی نیک خاتون تھیں اور ایسی طبع رسا اور ذہن خداداد رکھتی تھیں کہ ہر صحبت اور ہر سوسائٹی میں آپکی بذلہ سنجی اور مذاق سخن کا چرچہ تھا۔ جناب سکینہ عمر میں جناب فاطمہ بنت حسینؑ سے چھوٹی تھیں اور خدا نے ایسا حسن و جمال دیا تھا کہ نوجوانان قریش میں سے کوئی نہ تھا جسکے دلمیں آپکے شوہر ہونیکی آرزو نہ ہو۔۔۔۔ جس عہد میں آپکا نام عرب کی بامذاق سوسائٹیوں میں چمکا ہے اُسوقت آپ خاندان نبوت کی ایک واجب التعظیم اور شائستہ خاتون ہی نہیں نظر آتی ہیں بلکہ بذلہ سنج۔ لطیفہ گو اور فیشن کی موجد اور لیڈر ہونے کے علاوہ بہت بڑی اور اس پایہ کی شاعرہ ثابت ہوئی ہیں کہ وہ مشہور شعرائے عرب جن کا مثل آجتک عربی نظم کو نہیں نصیب ہوا۔ اپنے باہمی لٹریری نزاعوں کا فیصلہ کرانے کے لئے آپکی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اپنے کلام کو آپ کے سامنے پیش کرتے تھے"۔ (دلگداز ۲ جلد ۳) جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام عرب میں جناب سکینہؑ کی دھوم تھی۔ ہر تعلیم یافتہ شخص آپ کے حالات سے واقف تھا۔ ہر لٹریری مذاق رکھنے والا آپکی علمی اور ادبی قابلیت کو مانتا تھا۔ اور آپ کل اہل علم کی مرجع اور جیسے باکمال شعراء کی حکم تھیں۔ ہر مجلس میں آپکا ذکر خیر ہوتا۔ ہر مجمع میں آپ یاد کیجاتیں۔ تو کیا یہی جناب سکینہؑ ایسی گمنام ہو سکتی ہیں جنکے نام تک کی لوگوں کو خبر نہ ہو؟

یہی سکینہ ایسی نظر انداز ہوسکتی ہیں جنکے بارے میں لوگوں کو اس بات تک کا خیال نہ ہو کر ان کا
نام جانیں؟ یہی سکینہ کیا ایسی گوشہ نشین ہوسکتی ہیں جنکے متعلق لوگوں کو یہ تک نہ معلوم
ہو کر سکینہ اُن کا نام تھا یا لقب۔ اور اگر لقب تھا تو نام کیا تھا۔ امینہ یا آمنہ یا امیمہ یا ...
یہی سکینہ کیا ایسی پردہ نشین ہوسکتی ہیں جن سے انکی زندگی بھر کسی کو یہ بھی پوچھنے کی ہمت
نہ ہوسکی کر آپکا نام آپ کو معلوم ہے کہ کیا رکھا گیا تھا؟ یہی سکینہ کیا ایسی چھپی رہ سکتی
ہیں کر اُنکا نام دریافت کر لینے اور تحقیق کر کے اختلافات کو رفع کر دینے کا خیال کسی
شخص کو بھی نہیں ہوا؟ یہی سکینہ کیا ایسی مجہول الحال ہوسکتی ہیں جن کے نام تک سے اُس زمانہ
کے تحقیق پسند اور لوگوں کے ذاتی حالات جاننے میں جدوجہد کرنے والے راویان
احادیث و تاریخ و سیر اس درجہ بے خبر رہتے؟

عقل سلیم تو کسی طرح نہیں کہتی کر دونوں سکینہ ایک ہوں۔ یا دونوں متضاد حالات ایک
سکینہ کے ہوں۔ اور اگر ایک ہی سکینہ تھیں تو دونوں حالات اُنھیں کے نہیں ہونگے
بلکہ ایک قسم کے حالات صحیح اور دوسری قسم کے باطل ہونگے۔ غرض یقیناً ماننا پڑیگا کہ یا
اغانی کی یہ روایت غلط ہے کہ جناب سکینہ کے حالات کا جاننا کجا اُن کا نام تک تو لوگوں
کو معلوم نہیں تھا یا شررصاحب کے بیان کردہ واقعات غلط اور خلاف عقل ہیں اور ان
لوگوں نے اختراع کئے ہیں جو خاندان رسول ؐ کو ذلیل اور رسوا کرنا چاہتے ہیں۔

آپ کے نام کے بارے میں جو اختلافات ہیں اُن سے اس کا فیصلہ بھی ہو جاتا ہے کر آپکے
مصعب بن زبیر وغیرہ کے ساتھ نکاح کے واقعات صحیح ہیں یا غلط۔ اس لئے کہ اگر آپکا
نکاح مصعب وغیرہ کے ساتھ ہوتا اور آپ عام طور پر لوگوں سے ملتی رہتیں اور ایک مقام سے
دوسرے مقام پر سفر کرتیں جیسا کہ شررصاحب نے لکھا ہے تو جس جس مقام کے لوگوں کو
آپ کے آنے جانے کی خبر ہوتی وہ ضرور آپ کے حالات کو دریافت بلکہ تحقیق کرتے کہ
آپ کون ہیں۔ کہاں کی رہنے والی ہیں۔ کس خاندان سے ہیں اور نام کیا ہے کہ اس طرح بھی
اسم گرامی کا اختلاف مٹ جاتا اور آپ اس درجہ گمنام نہ ثابت ہوتیں۔

آپ کے نام کے اختلاف فلسفہ تاریخ کے ایک مسئلہ کا حل آپ کے اسم گرامی کے اختلافات
کی بابت اغانی کی ایک اور روایت ایسی
بھی ہے جس سے نہ صرف جناب سکینہ کے متعلق شرر صاحب کے بیان کردہ اتہامات کی تحقیق
آسان ہو جاتی ہے بلکہ فلسفہ تاریخ کا ایک ضروری مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ لوگوں کے حالات
کی تحقیق کرنے میں کس جماعۃ کی بات ماننی چاہیئے۔ کس قسم کے لوگوں کا کلام تسلیم کیا جائیگا
کن راویوں کے قول کو ترجیح دینی ہوگی اور کس طرح کے لوگوں کے بیانات نظر انداز کیے
جائیں گے۔ یہی ابوالفرج اصفہانی اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں درروی ان رجلا سأل
عبد اللہ بن الحسن عن اسم سکینہ فقال امینہ۔ فقال ان ابن الکلبی یقول
امیمۃ۔ فقال سل ابن الکلبی عن امہ۔ وسلنی عن امی یعنی ایک روایت میں ہے
کہ کسی شخص نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے صاحبزادے جناب حسن مثنی کے فرزند جناب عبد اللہ
سے (جو جناب سکینہ کے بھانجے تھے) حضرت سکینہ کا نام دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ
اُن کا نام امینہ تھا۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ ابن الکلبی تو کہتے ہیں کہ اُن کا نام امیمہ تھا
اس پر جناب عبد اللہ نے کہا کہ ابن الکلبی سے اُنکی ماں بہنوں کے حالات پوچھو ہماری ماں
بہنوں کے حالات ہم لوگوں سے دریافت کرو (اغانی جلد ۱۴ صفحہ ۱۶۴) جس سے جناب
عبد اللہ کا اشارہ اُس مسئلہ اصول کیطرف تھا جو حق و باطل روایات کی تمیز کرنے میں مشہور
ہے کہ اَھلُ البَیتِ اَدرىٰ بمافی البَیتِ یعنی کسی گھر کی حالت کو اُس گھر والے ہی بہتر
جانتے ہیں دوسرے لوگوں کو اُس کا علم نہیں ہو سکتا ہے۔[1]

---

[1] جناب شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے بھی اس اصول کو تسلیم کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں
"امام (ابو حنیفہ) صاحب نے اُن (امام محمد باقر علیہ السلام) کے فرزند رشید حضرت صادق
علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔
ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اسکی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت جعفر صادق

یہ جناب عبداللہ حضرت امام حسنؑ کے صاحبزادے حسن مثنیٰ کے فرزند اور جناب امام حسینؑ کی بڑی صاحبزادی فاطمہؑ کے بیٹے تھے۔ اسوجہ سے اُنکو جناب سکینہؑ کے نام اور حالات کی جو اطلاع ہوسکتی ہے وہ دوسروں کو نہیں ہوسکتی۔ جناب عبداللہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ جناب سکینہؑ کی زندگی حد درجہ گمنامی۔ گوشہ نشینی۔ دنیا سے علحدگی اور نہایت درجہ پردے میں بسر ہوئی اور آپکی کوئی بات بھی گھر سے باہر نہیں نکلی۔ ورنہ جناب عبداللہ اس اطمینان سے نہیں فرماتے کہ میری ماں بہنوں کے حالات مجھ سے پوچھو۔ غرض جب جناب سکینہؑ دوسرے لوگوں سے ملتی رہتیں۔ لوگوں کی لیڈر بنتیں۔ شعراء اُن کے ہاں آکر بیٹھتے اور اپنے اختلافات کا اُن سے فیصلہ کراتے اور اُن کے حالات پر مطلع ہوتے تو جناب سکینہؑ اپنی کون بات باقی رکھتیں جس کو لوگ خاص آپکے قرابتمندوں سے دریافت کرتے؟ اور پھر کس منہ سے جناب عبداللہ فخر کے طور پر یہ حکم دیتے کہ میری ماں بہنوں کے حالات مجھ سے پوچھو۔ دوسرے کیا جانیں؟

جناب عبداللہ کے اس قول سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انھیں ابوالفرج اصفہانی اور مسٹر شرر نے جو جناب سکینہؑ کے متعلق یہ لکھدیا ہے کہ آپکا نکاح جناب عبداللہ بن حسنؑ کے بعد مصعب بن زبیر سے ہوا۔ پھر انکے مارے جانیکے بعد عبدالرحمن بن عوف کے بیٹے ابراہیم نے پیام دیا جس پر بنی ہاشم نے بڑا ہنگامہ کیا۔ پھر تیسرا نکاح زید بن عمر بن عثمان سے ہوا یہ سب قطعاً خلاف واقع باتیں ہیں اس لئے کہ اگر

(بقیہ نوٹ ص ۶) کے معاصر اور ہمسر تھے اسلئے اونکی شاگردی کیونکر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل وکمال میں اونکو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت؟ حدیث وفقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیتؑ کے گھر سے نکلے وصاحب البیت ادری بما فیہا (گھر کے حالات کا علم زیادہ تر گھر والونکو ہی ہوسکتا ہے) (سیرۃ النعمان صفحہ ۴۵)

شادی ہوجانیکے بعد اپنے شوہر کے گھر کی ہوجاتی ہے۔ اگر جناب سکینہؑ کے یہ سب نکاح صحیح مانے جائیں تو یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ اتنے نکاحوں سے جناب سکینہؑ کی کچھ اولاد ضرور پیدا ہوئی ہونگی جنکو جناب سکینہؑ کے حالات پر انکے بھانجے سے زیادہ اطلاع ہوتی تو اُن لوگوں کے رہتے ہوئے جناب عبداللہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ سکینہؑ میرے گھر کی اور میری ماں بہن ہیں اور میری ماں بہن کے حالات مجھکو زیادہ معلوم ہوسکتے ہیں اس لئے کہ آپ کے اس قول پر آپکا مخاطب فوراً کہتا کہ آپ جناب سکینہؑ کو اپنی ہی ماں بہن کیوں کہتے ہیں۔ آپ تو اُن کے بھانجے ہیں۔ اور جناب سکینہؑ اُسی وقت تک آپ کے گھر کی تھیں جب تک انکی شادی نہیں ہوئی تھی۔ جب اُن کی شادی فلاں فلاں خاندان میں ہوگئی تو اب وہ صرف آپکی نہیں ہیں بلکہ ان خاندانوں کی بھی ہوگئیں اور ان خاندان والوں کو ان کا حال آپ کے برابر بلکہ آپ سے بھی زیادہ معلوم ہوگا کیونکہ آپ تو انکے بھانجے ہیں اور ان خاندانوں میں تو انکی اولاد موجود ہے۔ جو آپسے زیادہ انکے حالات جانتی اور جان سکتی ہیں مگر خود اغانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس شخص نے جناب عبداللہ کے اس حکیمانہ کلام کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ خاموش ہوکر اسکو قبول کرلیا جس سے یقیناً یہی ماننا پڑیگا کہ جناب سکینہؑ اپنے گھر سے نکلی ہی نہیں۔ کسی دوسرے خاندان میں بیاہی نہیں گئیں اور اُنکے بطن سے کوئی اولاد ہوئی ہی نہیں۔

جناب سکینہؑ کی مادرِ گرامی

کا نام رباب تھا جو عرب کے ایک بہت معزز قبیلہ کی صاحب زادی تھیں۔ اُن کا سلسلہ نسبت ہے رباب دختر امراء القیس بن عدی بن اَوس ابن جابر بن کعب بن علیم بن ہبل بن کنانہ بن بکر بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب یعنی امراء القیس فرزند تھے عدی کے۔ وہ بیٹے تھے اَوس کے۔ وہ بیٹے تھے جابر کے وہ بیٹے تھے کعب کے (تاریخ طبری جلد ۱۲ صہ ۱۹) ان رباب سے حضرت امام حسینؑ کی شادی ہوئی تھی جن سے جناب سکینہؑ اور حضرت علی اصغرؑ

پیدا ہوئے جن کا اصلی نام عبداللہ تھا مگر اردو زبان میں علی اصغرؑ مشہور ہیں اور جو شیر خوارگی کی حالت میں کربلا میں تیر کھا کر شہید ہوئے (تاریخ طبری جلد ۱۲ صفحہ ۱)
آپ کے متعلق علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے وکان مع الحسین امرأته الرباب بنت امرئ القیس وهی ام ابنته سکینه وحملت الی الشام فیمن حمل من اهله ثم عادت الی المدینة فخطبها الاشراف من قریش فقالت ما کنت لاتخذ حموا بعد رسول الله صلعم وبقیت بعده سنة لم یظلها سقف بیت حتی بلیت وماتت کمدا وقیل انها اقامت علی قبره سنة وعادت الی المدینة فماتت اسفا علیه۔ یعنی کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ آپکی بیوی جناب رباب دختر امرا القیس بھی تھیں جو آپکی صاحبزادی سکینہؑ کی ماں تھیں اور حضرتؑ کے اہلبیتؑ سے جو لوگ قید کر کے شام میں بھیجے گئے انمیں یہ بھی تھیں پھر چھوٹ کر مدینہ آئیں تو قریش کے اشراف نے آپ سے شادی کا پیغام بھیجا مگر انھوں نے جواب دیا کہ حضرت رسولخداؐ کی بہو ہونے کے بعد اب میں کسی کی بہو نہیں بن سکتی۔ واقعہ کربلا کے بعد سال بھر تک زندہ رہیں مگر کسی چھت کے سایہ میں نہ بیٹھیں نہ سوئیں یہاں تک کہ مارے رنج والم کے اسی حال میں بیمار ہو کر مر گئیں۔ اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جناب رباب سال بھر تک حضرت امام حسینؑ کی قبر پر رہ گئیں۔ جسکے بعد مدینہ واپس آئیں اور حضرتؑ کی مصیبت پر روتے ہی پیٹتے مر گئیں (تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۳۶) اور علامہ شبلنجی نے لکھا ہے ولما قتل الحسین رضی الله عنه رثته بابیات منها ان الذی کان نورا یستضاء به۔ بکربلاء قتیل غیر مدفون + سبط النبی جزاک الله صالحة۔ عنا وجنبت خسران الموازین + قد کنت لی جبلا صعبا الوذ به۔ وکنت تصحبنا بالرحم والدین + من للیتامی ومن للسائلین ومن۔ یغنی ویاوی الیه کل مسکین + والله لا ابتغی صهرا بصهرکم۔ حتی اغیب بین الرمل والطین
یعنی ہائے وہ بزرگ جو مجسم نور تھا ایسا نور جس سے دوسرے لوگ روشنی حاصل کرتے تھے۔

کربلا میں شہید ہو کر پڑا ہوا ہے اور دفن بھی نہیں کیا گیا۔ اے فرزند رسولؐ جو ہو گئے ہیں
سے خدا آپ کو جزائے خیر دے اور آپ بروز قیامت حساب کتاب کے نقصان سے تو بچے ہوئے
ہی ہیں۔ آپ ہمارے لیے ایک مضبوط پہاڑ تھے جہاں ہم بڑی پناہ میں تھی اور آپ
ہم لوگوں کے ساتھ رحم اور دین کا پورا برتاؤ کرتے تھے۔ بابا اب یتیموں اور سائلوں
کے لئے کون رہا اور کون ہے جس کی طرف لوگ اپنی حاجات لیکر آئیں گے اور کون ہے
جس کی آڑ فقراء و مساکین پکڑیں گے۔ خدا کی قسم اب میں آپ کے خاندان کے بعد کسی کی
بہو نہیں بن سکتی یہاں تک کہ اسی طرح ریگ اور مٹی میں چھپ جاؤں گی۔ (نور الابصار
صفحہ ۱۷۴)

جناب سکینہؑ کا سال ولادت کتابوں میں تلاش کرنے سے کسی طرح نہیں معلوم ہوتا کہ جناب سکینہ کس سال پیدا ہوئیں مگر یہ یقینی ہے
کہ حضرت امام حسینؑ کی صرف دو صاحبزادیاں تھیں۔ ایک جناب فاطمہ اور دوسری
یہی جناب سکینہ (معارف مطبوعہ مصر صفحہ ۱۰۹ و تاریخ طبری جلد ۱۲ صفحہ ۱۹ و ارشاد
مطبوعہ ایران صفحہ ۲۷۰ و اعلام الوریٰ صفحہ ۱۵۱ و بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۰ مطبوعہ ایران وغیرہ)
اور جناب فاطمہؑ جناب سکینہؑ سے ضرور بڑی تھیں۔ چنانچہ علامہ طبری نے لکھا ہے فقالت
فاطمہ بنت الحسینؑ و کانت اکبر من سکینۃ یعنی جب حضرات اہلبیتؑ واقعہ کربلا
کے بعد قید ہو کر یزید کے پاس پہنچے تو فاطمہ بنت الحسینؑ نے جو جناب سکینہؑ سے بڑی
تھیں یزید سے کہا (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۶۶) اور علامہ ابن اثیر جزری نے تاریخ کامل
جلد ۴ صفحہ ۳۵ میں اور علامہ ابن صباغ مالکی نے فصول مہمہ مطبوعہ ایران صفحہ ۲۰۵ میں اور
علامہ سید مومن شبلنجی نے نور الابصار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۶ میں اور دوسرے علمائے اہلسنت
و شیعہ نے بھی یہی لکھا ہے۔
مگر حضرت سید الشہداءؑ کی بڑی صاحبزادی جناب فاطمہؑ کا سال ولادت بھی کتابوں
میں نہیں ملتا ہے۔ البتہ قرائن سے کچھ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے وہ یہ کہ جناب فاطمہؑ کی

مادر گرامی ام اسحٰق تھیں (ارشاد صفحہ ۲۷۷ و اعلام الوریٰ صفحہ ۱۵۱ و بحار جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۵ و معارف صفحہ ۱۰۹ و تاریخ طبری جلد ۱۳ صفحہ ۱۹ وغیرہ) پہلے اُن سے حضرت امام حسنؑ نے شادی کی تھی جب حضرت انتقال فرمانے لگے تو حضرت امام حسینؑ سے وصیت فرمائی کہ میرے بعد تم میری بیوہ ام اسحٰق سے شادی کر لینا حضرت کے انتقال کے بعد زمانہ عدہ ختم ہونے پر جناب امام حسینؑ نے اُن سے شادی کی جس سے جناب فاطمہ پیدا ہوئیں چنانچہ علامہ طبری حضرت امام حسینؑ کی اولاد کے بیان میں لکھتے ہیں و فاطمۃ امہا

ام اسحاق ابنۃ طلحۃ بن عبید اللہ وکانت قبلہ عند الحسن بن علی فلما حضرتہ الوفاۃ اوصی حسیناً ان یتزوجہا فتزوجہا الحسینؑ وولدت لہ فاطمۃ وعبید اللہ قتل مع ابیہ یعنی جناب امام حسینؑ کی بیٹی فاطمہؑ بھی تھیں جنکی ماں کا نام ام اسحاق تھا جو طلحہ بن عبید اللہ کی بیٹی تھیں۔ انکی شادی پہلے حضرت امام حسنؑ سے ہوئی تھی جب حضرت انتقال فرمانے لگے تو آپ نے چھوٹے بھائی حضرت امام حسینؑ سے وصیت کی کہ میرے بعد میری بیوی ام اسحٰق سے شادی کر لینا جب حضرتؑ کا انتقال ہو گیا تو امام حسینؑ نے اُن سے شادی کر لی۔ جسکے بعد جناب ام اسحاق سے جناب فاطمہؑ اور عبید اللہ پیدا ہوئے جو حضرت کے ساتھ شہید ہو گئے (تاریخ طبری جلد ۱۳ صفحہ ۱۹ مطبوعہ مصر) اور معلوم ہے کہ جناب امام حسنؑ ۲۸ صفر سنہ ۵۰ھ کو شہید ہوئے (نور الابصار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۳)[1] اس طرح حضرت امام حسینؑ نے جناب ام اسحاق سے سنہ ۵۰ھ کے آخر یا سنہ ۵۱ھ کے شروع میں شادی کی ہوگی جسکے بعد جناب فاطمہ سنہ ۵۱ھ کے آخر میں پیدا ہوئی ہونگی۔ اور انکے بعد جناب سکینہؑ کی ولادت سنہ ۵۲ھ میں ہو سکتی ہے۔ اور جناب فاطمہؑ سے بہت زیادہ چھوٹی ہونیکا قرینہ بھی نہیں ہے اس لئے کہ واقعہ کربلا سے پہلے آپکا نکاح جناب امام حسنؑ کے فرزند جناب عبد اللہ سے ہو چکا تھا تو نکاح کے وقت آپکی عمر کم از کم ۸۔۹ سال کی ضرور رہی ہوگی۔ اس سے بھی آپ کا سال ولادت سنہ ۵۲ ہجری ہی معلوم ہوتا ہے۔

[1] علمائے شیعہ نے حضرت کی وفات ۲۸ صفر سنہ ۵۰ھ ہی میں لکھی ہے (ارشاد صفحہ ۲۰۳ و اعلام الوریٰ صفحہ ۱۲۳) مگر بعض علمائے اہلسنت نے حضرت کی وفات سنہ ۴۹ھ میں لکھی ہے (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۹۳ و مرآۃ الجنان مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد ۱ صفحہ ۱۲۲ وغیرہ) ۱۲

جناب سکینہ دختر امام حسینؑ کی محبت

حضرت امام حسین علیہ السلام کو جناب سکینہ سے بہت محبت تھی جس پر آپ نے چند شعر بھی ارشاد فرمائے ہیں ؎ لعمرک اننی لاحب دارا۔ تحل بہا سکینۃ والرباب + احبہما وابذل بعد مالی۔ ولیس للائمی فیہ عتاب + ولست لہم وان عتبوا مطیعا حیاتی او یعلینی التراب یعنی تیری جان کی قسم میں اس گھر کو بہت دوست رکھتا ہوں جسمیں سکینہ یا رباب قیام کرتی ہیں۔ مجھے دونوں سے محبت ہے اور ان پر اپنا مال خرچ کرتا ہوں اور اس بارے میں کسی ملامت کرنے والے کا عتاب مجھ پر نہیں ہو سکتا ہے۔ اور اگر وہ لوگ مجھ پر اعتراض کریں تو میں اپنی زندگی بھر انکا کہنا نہیں مانونگا یہاں تک کہ قبر میں پہونچ جاؤں (تاریخ طبری جلد ۱۲ ۱۹۱) اس خاص محبت کی وجہ غالباً یہی ہوگی کہ جناب سکینہؑ پر استغراق فی اللہ غالب رہتا تھا۔ برابر عبادۃ خدا میں بسر کرتی تھیں اور زہد فی الدنیا کی صفت اُن میں بڑھی ہوئی تھی۔ اور اس وجہ سے یہ محبت زیادہ نہیں تھی کہ جناب سکینہؑ خوبصورت تھیں۔ اسلئے کہ خوبصورتی کی وجہ سے حضرتؑ کی محبت ہوتی تو آپ بڑی صاحبزادی فاطمہؑ سے زیادہ محبت فرماتے جنکے بارے میں خود فرماتے تھے اما فی الجمال فتشبہ الحور العین یعنی فاطمہؑ خوبصورتی میں حور ہے (اسعاف الراغبین ۲۱۵) اور جناب رباب سے بھی زیادتی محبت کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ جناب سکینہؑ ایسی مقدس اور زاہدہ بیٹی کی ماں تھیں ورنہ حضرت سید الشہداء ایسے نور مجسم کو جناب فاطمہؑ سے زیادہ جناب سکینہؑ سے اور جناب ام اسحاق سے زیادہ جناب رباب سے محبت ہونیکی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

بچپن کے حالات

جناب سکینہؑ کے بچپن کا زمانہ کس حال میں بسر ہوا تاریخی کتابوں سے کسی طرح نہیں معلوم ہوتا ہے۔ البتہ جس گھر میں آپ تھیں اُس کے رہنے والے شدید روحانی اذیت میں بسر کر رہے تھے۔ کیونکہ حضرت امام حسنؑ کی شہادت کے بعد معویہ نے ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اور خاصکر خاندان رسالت کی تباہی

کے سامان میں تو کوئی تدبیر اُٹھا نہیں رکھی تھی چنانچہ حضرت امیرالمومنینؑ پر علانیہ سب و شتم کرتا اور عام حکم دے رکھا تھا کہ اسکی سلطنت کی کل مسجدوں میں خطیب منبروں پر حضرت پر لعنت کیا کریں۔ اُسنے ابوہریرہ۔ عمرو بن العاص۔ مغیرہ بن شعبہ و عروہ بن زبیر کو اس پر مامور کیا تھا کہ حضرت کی برائی اور بدنامی میں جھوٹی حدیثیں بنایا کریں (شرح نہج البلاغۃ جلد ۴ صـ ۳۰) شیعیان علیؑ کی جائداد اور مال ضبط کرلئے گئے انکو قتل اور ہلاک کیا گیا اور اس قدر اُن پر ظلم کیے گئے کہ کوئی شخص اپنے کو شیعہ نہیں کہہ سکتا تھا (شرح نہج البلاغۃ جلد ۲ صـ ۹) حضرت امام حسنؑ کی زندگی ہی سے معویہ اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنا دینے کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ اسی غرض سے اُس نے حضرت امام حسنؑ اور عبدالرحمان بن خالد کو زہر سے ہلاک کرادیا تھا۔ اسی طرح سب سامان مکمل کرکے اُس نے پہلے اہل شام سے پھر عراق والوں سے یزید کی ولی عہدی کی بیعت لی اور سنہ ۵۶ھ میں حجاز پہونچکر اہل مدینہ اور اہل مکہ سے انکو تلوار کی دھمکی دیکر زبردستی بیعت حاصل کی۔ مگر حضرت امام حسینؑ۔ عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر نے بیعت نہیں کی۔ لیکن معویہ اسمیں بھی زبردست چال چل گیا کہ غلط طور پر لوگوں میں مشہور کردیا کہ ان چار شخصوں نے بھی یزید کی ولیعہدی پر بیعت کرلی ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ جب اہل عراق و شام نے یزید کی بیعت کرلی تو معویہ ہزار سواروں کی جمعیت سے حجاز کیطرف روانہ ہوا۔ جب مدینہ کے قریب پہونچا تو سب سے پہلے حضرت امام حسینؑ سے ملاقاۃ ہوگئی۔ حضرت کو دیکھکر وہ کہنے لگا کہ خوشی اور بھلائی اُس شتر قربانی کو حاصل نہیں ہوسکتی جس کا خون بھڑک رہا ہے اور اللہ اس کا لہو بہا رہا ہے۔ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا اے معویہ خدا کی قسم میں ایسے کلمات کا مستحق نہیں ہوں۔ معویہ بولا یقیناً آپ اس سے بدتر کلمات کے سزاوار ہیں (تاریخ کامل جلد ۳ صـ ۲۱۲) غرض معویہ اپنی زندگی بھر حضرت امام حسینؑ اور آپکے اہلبیت کو پریشان کرتا رہا۔ یہاں تک کہ رجب سنہ ۶۰ ہجری میں مرگیا اور یزید اسکی جگہ بیٹھا تو اُسنے مدینہ کے حاکم کو خط لکھا۔

[illegible] بن زبیر و عبداللہ بن عمر سے بیعت لے۔ حضرت امام حسینؑ نے انکار کیا اور مدینہ چھوڑ کر مکہ معظمہ اور پھر وہاں سے کربلا تشریف لائے (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۱۸۹ تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ وغیرہ) ان حالات سے ہم اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جناب سکینہؑ کے بچپن کا زمانہ کس اذیت اور پریشانی میں بسر ہوا ہوگا۔

جناب سکینہؑ کی شادی

آپکی شادی کا مسئلہ بہت مہتم بالشان ہوگیا ہے اور اسکے متعلق حضرات اہلسنت نے عجیب عجیب مرویات جمع کی ہیں مگر اھل البیت ادری بما فیہ (کسی کے گھر کا حال اس گھر والے ہی سب سے بہتر جان سکتے ہیں) کے مطابق نیز اس اعتبار سے کہ باپ سے زیادہ کوئی شخص بیٹی کی حالت، مزاج، افتادِ طبیعت اور خوبو سے واقف نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلے حضرت امام حسینؑ کے اس قول پر نظر پڑتی ہے جو حضرتؑ نے اپنی ان صاحبزادی کے بارے میں فرمایا تھا۔ حضرات اہل سنت کے علامہ محمد صبان تحریر فرماتے ہیں (وفی الفصول المهمه فی فضائل الائمة لابن الصباغ ان الحسن بن الحسنؑ بن علی خطب من عمه الحسینؑ احدی ابنتیه فاطمه اوسکینه وقال اختر لی احداهما فقال الحسینؑ قد اخترت لك ابنتی فاطمة فهی اکثرهما شبها بامی فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ اما فی الدین فتقوم اللیل کله وتصوم النهار۔ واما فی الجمال فتشبه الحور العین۔ واما سکینة فغالب علیها الاستغراق مع الله تعالی فلا تصلح لرجل) یعنی علامہ ابن صباغ کی کتاب فصول مہمہ در فضائل ائمہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام حسنؑ کے صاحبزادے جناب حسن مثنیٰ نے اپنے چچا حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں کسی کے ذریعہ سے یہ درخواست بھیجی کہ اپنی دونوں صاحبزادیوں فاطمہؑ اور سکینہؑ سے کسی کے ساتھ میری شادی کر دیجئے۔ حضرت نے جواب دیا کہ میں اُن کے لئے اپنی بڑی بیٹی فاطمہ کو مناسب سمجھتا ہوں کیونکہ دونوں میں وہ میری ماں جناب فاطمہؑ زہرا بنت حضرت رسولخداؐ سے زیادہ مشابہ ہیں۔ دینی خوبیوں میں تو اس طرح کہ وہ رات بھر خدا کی عبادت کرتی رہتی اور دن دن بھر روزہ رکھتی ہیں۔ اور

[illegible] نہیں ہوئی [illegible]
سکینہ تو وہ موقع آئی نہیں [illegible] رہتی ہے [illegible] شادی [illegible]
نہیں ہیں (کتاب [illegible] الاعیان برحاشیہ [illegible] جلد ۲ صفحہ ۲۱
یہی روایت بعینہ علامہ شیخ حسن عدوی حمزاوی کی کتاب مشارق الانوار مطبوعہ
مصر صفحہ ۱۲۱ اور دوسری بہت سی کتب اہلسنت میں ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ جناب
سکینہ خدا کی معرفت۔ عبادت۔ خشیت۔ تقویٰ۔ ورع۔ ذکر الہی۔ دعا وظائف دنیا
سے نفرت اور آخرت کی رغبت میں اس درجہ ڈوبی ہوئی رہتی تھیں کہ کوئی مرد
انکے لئے پیغام ہی نہیں دیتا اس لئے کہ مرد عورت سے شادی اس لئے کرتے ہیں کہ
بیوی سے لطف زندگی حاصل کریں۔ اسکے حسن وجمال کی لذت اٹھائیں۔ اس کے
ناز وادا اور نسوانی خصوصیات سے روحانی خوشی پائیں۔ اُسکی وجہ سے انکی معاشرت
میں آرام ملے۔ انکی نسل بڑھے اور انکا گھر آباد ہو۔ نہ اس لئے کہ بیوی صاحبہ گھر میں
صبح سے شام تک خدا کی معرفت میں مصروف اور ہر وقت اسکی عبادت میں مشغول رہیں
دن بھر خوف الہی سے رویا کریں۔ کھانے پینے کے عوض لذات دنیا کو ترک کئے رہیں
اور شوہر کو خوش کرنے کے بدلے خود ہی دن بھر غمزدہ حالت میں پڑی رہیں۔ ایسی
عورت مالدار ہو جب بھی اسکو شوہر ملنا مشکل ہوگا۔ اور ان صفات کی بیوی
پری پیکر ہو جب بھی اسکے قدرداں کا پیدا ہونا دشوار ہی رہیگا۔ غرض حضرت کے
اس قول سے کہ سکینہ لا تصلح لرجل یعنی سکینہ کسی مرد کے لائق ہی نہیں ہیں۔
اس بات کا یقین کرنا پڑیگا کہ جناب سکینہؑ ایسی عورت تھیں جن سے شادی کرنیکا خیال
بھی کسی شخص کو نہیں ہو سکتا تھا۔ فارسی شاعر نے اس قسم کی عورتوں کے وجود کو تسلیم
کیا ہے کہتا ہے ؎

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد — خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

یعنی نہ تو ہر عورت کو ایک ہی مزاج کی عورت سمجھنا چاہئے نہ ہر مرد کو مرد۔ اس لئے
کہ خدا نے سب کو ایک طرح کا نہیں بنایا ہے بلکہ ایک ہی ہاتھ میں اور ایک ہی جگہ

جو پانچ انگلیاں ہیں وہ ایک برابر نہیں ایک دوسری ... نہیں۔ قرآن مجید سے
بھی اسکی تائید ہوتی ہے جناب یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں خدا فرماتا ہے یحییٰ
مصدقاً بکلمة من الله وسیداً وحصوراً ونبیاً من الصالحین یعنی ابھی جناب
زکریا حجرے میں کھڑے دعا مانگ ہی رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی کہ خدا تم کو ایک
فرزند یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو حضرت عیسےٰ کی تصدیق کرینگے اور سردار ہونگے اور عورتوں
کیطرف رغبت نہیں کرینگے اور نیک نبی ہونگے (پارہ ۳ رکوع ۱۲)
اس آیۃ کی تفسیر میں علامہ فخرالدین رازی لکھتے ہیں کہ اس آیۃ کے بارے میں مفسرین کے دو
قول ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت یحییٰ عورتوں کے پاس جانے سے عاجز تھے اس لیے
کہ اُن کا آلہ تناسل چھوٹا تھا۔ یا اس سبب سے کہ انکو انزال نہیں ہوتا تھا۔ یا اس وجہ
سے کہ وہ جماع کرنے پر قادر ہی نہیں تھے۔ اور دوسرا قول جسکو محققین نے بھی پسند
کیا ہے کہ وہ جو عورتوں کیطرف متوجہ نہیں ہوتے تھے تو اس کا سبب نہیں تھا کہ
وہ عاجز (نامرد) تھے بلکہ اپنی عفت اور زہد کے سبب سے مائل نہیں ہوتے تھے
(تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۶۶۵) جس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء میں بھی ایسے بندے
گزرے ہیں جو عورتوں کے قابل نہیں تھے یا جو عورتوں کیطرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔
پھر اس خدا نے اگر حضرت سکینہؑ کو بھی اس طبیعت اور مذاق کا پیدا کیا کہ وہ مردوں کے
لائق نہ تھیں تو خدا کی قدرت سے کیونکر بعید ہو سکتا ہے اور اس پر تعجب کرنا کس درجہ
خلاف عقل ہے۔

شادی کیلئے خدا و رسولؐ کا حکم

باوجود اسکے جناب سکینہ کا نکاح ہوا اور خود حضرت امام حسین علیہ السلام نے آپکا نکاح کر دیا تھا۔ اس لئے کہ
خدا نے ہر لڑکے اور لڑکی کی شادی کا حکم والدین کو دیا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے وانکحوا
الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم یعنی تم لوگ ان مردوں کی جنکی
بیوی نہیں ہیں اور اُن عورتوں کی جن کے شوہر نہیں ہیں شادی کر دیا کرو۔ (پارہ ۱۸

(رکوع ۱۰) جو مرد و عورت کے لئے ہو تم سب اپنے بیٹے اور بیٹی کی شادی
کر دیا کرو۔ اور حضرت رسولخدا صلعم کی احادیث میں بھی اسکی بڑی تاکید ہے
فرمایا [illegible] وهو منی
ومن لم یاخذ بسنتی فلیس منی یعنی میں خود بھی روزہ رکھتا ہوں اور بے روزہ
بھی رہتا ہوں۔ اور نماز پڑھتا ہوں اور سوتا ہوں اور عورتوں سے نکاح کرتا ہوں
اب جو شخص میرا طریقہ اختیار کریگا وہی مجھ سے ہوگا۔ اور جو میرا طریقہ نہیں اختیار کریگا
وہ مجھ سے نہیں ہو (ملاحظات التفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۳۳ مطبوعہ مصر) [illegible]
[illegible] یعنی آنحضرت صلعم نے ارشاد
فرمایا کہ تم لوگ شادی بیاہ کیا کرو تاکہ تمہاری نسل بڑھے اس لئے کہ میں قیامت میں تم
لوگوں کی کثرت [illegible] امتوں پر فخر و مباہات کرونگا (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۳۱)
قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت وانکحوا الایامی کی تفسیر میں بھی علامہ سیوطی لکھتے ہیں
[illegible] یعنی یقیناً تم لوگوں کو خدا نے حکم دیا ہے
کہ بے شوہر عورتوں کی شادی کر دیا کرو جیسا کہ تم اس کا قول سنتے ہو۔ ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] والصالحات یعنی حضرت رسول خدا
صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ نیک مردوں اور نیک عورتوں کی شادی تم لوگ خود کر دیا کرو
عن ابن عباس [illegible] الایامی منکم الآیۃ [illegible] سبحانہ بالنکاح ورغبہم
فیہ وامرہم ان یزوجوا احرارہم وعبیدہم یعنی جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ
اس آیت کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ لوگوں کے نکاح کر دیا کرو اور
لوگوں کو اسکی طرف رغبت دلائی ہے اور انھیں حکم دیا ہے کہ آزاد مردوں اور عورتوں
اور غلاموں اور لونڈیوں کی بھی شادی کر دیا کریں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم انکحوا [illegible] یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ عورتوں کی شادی کر دیا کرو
(تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۴۶) قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیۃ اور ان احادیث سے یہ معلوم ہے جس طرح تمام مسلمانوں کیلئے

... تھی اور ... [illegible] ... حضرت ... علیہ السلام

نے بھی اپنا عقیدہ جناب سکینہ کا ... کی کے ساتھ ... کی اطاعت

اور احادیث ... پابندی ہو جانے اور ... [illegible]

جو میری سنت پر عمل نہیں کریگا وہ ... نہیں ہو سکتا ... حضرت ... رہیں۔

جناب سکینہ کے شوہر

اگر حضرت امام حسینؑ نے آپکی شادی ... کس سے کیا یا سکینہ نے شادی کی۔ ... اختلاف

ہے حضرات اہلسنت کے علامہ حنبلی ... دمشقی ... ہجری کے واقعات میں

لکھتے ہیں وفیہا توفیت سکینة بنت الحسین ... بالمدینة

... تزوجہا مصعب بن الزبیر یعنی ... میں جناب امام

حسینؑ کی بیٹی جناب سکینہؑ نے انتقال کیا جو بڑی خوبصورت ... تھیں۔ ان سے

مصعب بن زبیر نے شادی کی تھی (کتاب ... حنبلی ... نسخہ قلمیہ ۲۸ و ۲۹)

اس سے معلوم ہوا کہ جناب سکینہؑ کی صرف ایک شادی ہوئی اور ... نے شوہر مصعب بن زبیر

تھے آپ کے مرتے وقت تک کسی اور سے آپ کی شادی نہیں ہوئی۔ اب دوسرے

مشہور علامہ کا قول ملاحظہ ہو۔ عبداللہ یافعی ۱۱۷ھ ہجری کے واقعات میں لکھتے ہیں

وفیہا توفیت السیدة سکینة بنت الحسین بن علیؑ ابن ابی طالب رضی اللہ

تعالیٰ عنہم ... تزوجہا مصعب بن الزبیر فہلک عنہا۔ ثم تزوجہا عبد اللہ بن

عثمان بن عفان۔ ثم عبد اللہ بن حکیم بن حزام۔ ثم تزوجہا زید بن عمر بن

عثمان یعنی اسی ۱۱۷ھ ہجری میں جناب سکینہ نے وفات پائی۔ ان سے مصعب بن زبیر

کی شادی ہوئی تھی جب وہ مر گئے تو پھر انکی شادی عبداللہ بن عثمان بن عفان سے

ہوئی۔ پھر تیسری شادی عبداللہ بن حکیم بن حزام سے ہوئی۔ پھر چوتھی شادی زید بن عمر

بن عثمان سے ہوئی (کتاب مراۃ الجنان۔ جلد ا صـ ۲۵۲ مطبوعہ حیدرآباد) ان

اختلافات میں کس قول کو صحیح مانا جائے کہ ایک صاحب لکھتے ہیں جناب سکینہؑ

کی شادی صرف ایک مصعب بن زبیر سے ہوئی۔ دوسرے علماء بتاتے ہیں نہیں
بلکہ آپ کی شادی چار ہوئی پہلی مصعب سے۔ دوسری عبداللہ بن عثمان سے تیسری
عبداللہ بن حکیم سے چوتھی زید بن عمرو سے۔ اب تیسرے نسب کی تحقیق ملاحظہ
ہو۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں تزوجت مصعب بن الزبیر فقتل عنہا ثم تزوجھا
عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام ... ثم تزوجھا الاصبغ بن عبدالعزیز
بن مروان وفارقھا قبل الدخول۔ ثم تزوجھا زید بن عمرو بن عثمان بن عفان یعنی
جناب سکینہ کے ساتھ پہلے مصعب بن زبیر نے شادی کی تھی جب وہ مارے گئے تو آپ کی دوسری
شادی عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام سے ہوئی۔ پھر تیسری شادی اصبغ
ابن عبدالعزیز بن مروان سے ہوئی۔ مگر اس سے ملاقات کے قبل ہی جدائی ہو گئی۔ تب چوتھی
شادی زید بن عمرو بن عثمان سے ہوئی (وفیات الاعیان مطبوعہ مصر جلد اول ۲۱۱) علامہ
یافعی کے بیان سے علامہ ابن خلکان کے بیان میں کس قدر فرق ہو گیا کہ پہلی شادی
تو وہ بھی مصعب ہی سے بتاتے ہیں اور یہ بھی مگر دوسری شادی کو یافعی عبداللہ سے بتاتے ہیں
جو عثمان کے پوتے تھے۔ لیکن ابن خلکان کہتے ہیں کہ نہیں وہ عبداللہ جو جناب
سکینہ کے دوسرے شوہر تھے عثمان کے پوتے نہیں تھے بلکہ عبداللہ بن حکیم کے پوتے
تھے۔ پھر یافعی کہتے ہیں کہ جناب سکینہ کے تیسرے شوہر عبداللہ بن حکیم بن حزام تھے
مگر ابن خلکان بتاتے ہیں کہ آپ کے تیسرے شوہر اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان
تھے۔ یافعی کہتے ہیں کہ آپ کے چوتھے شوہر زید بن عمرو بن عثمان تھے اور ابن خلکان
بھی یہی کہتے ہیں مگر حافظ دمشقی ان تینوں شوہروں سے انکار کرتے ہیں۔ اب
ابوالفرج صاحب مصنف کتاب اغانی کا قول ملاحظہ ہو لکھتے ہیں۔ تزوجت سکینہ
بنت الحسین علیہ السلام عدۃ ازواج منہم عبداللہ بن الحسن بن
علی وھو ابن عمھا ابو عذرھا ومصعب بن الزبیر وعبداللہ بن عثمان الحزامی
وزید بن عمرو بن عثمان والاصبغ بن عبدالعزیز بن مروان ولم یدخل بھا و
ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف ولم یدخل بھا یعنی جناب سکینہ کی شادی

کی آرزو پوری نہ ہوئی۔ پہلے آپ کے چچازاد بھائی عبداللہ بن امام حسنؑ سے جو آپ
کے اول شوہر تھے۔ دوسرے مصعب بن زبیر سے۔ تیسرے عبداللہ بن عثمان حزامی سے
چوتھے زید بن عمرو بن عثمان سے۔ پانچویں اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان سے۔ مگر ان سے
اجتماع نہیں ہونے پایا۔ چھٹے ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف سے۔ ان سے بھی اجتماع نہیں
ہوا (اغانی مطبوعہ مصر جلد ۱۴ صفحہ ۱۶۸) اس روایت کے متعلق جوابات میں جو آئندہ
ذکر کیئے جائیں گے مگر یہاں بھی ایک بات قابل لحاظ ہے کہ اصفہانی صاحب نے جناب عبداللہ
کو جناب سکینہ کا ابوعذرہ کہا (یعنی وہ شوہر جو دوشیزگی پہلی دفعہ زائل کیا) چنانچہ منتہی الارب
میں ہے ابوعذرۃ مرد دوشیزہ گیرندہ یعنی ابوعذرہ اس مرد کو کہتے ہیں جو عورت کی بکارت
کو زائل کرے جلد ۳ صفحہ ۱۲۰ اور انوار اللغۃ میں ہے عذرا کنواری لڑکی اور جو کوئی اسکی
بکارت توڑے اسکو ابوعذرہ کہیں گے جلد ۳ صفحہ ۹۲ حالانکہ یہ بھی غلط ہے جناب
عبداللہ سے نکاح ضرور ہوا تھا مگر ابھی شوہر اور بیوی اکٹھے نہیں ہونے پائے تھے کہ واقعہ
کربلا پیش آگیا جسمیں جناب عبداللہ شہید ہو گئے۔ لہٰذا جناب عبداللہ جناب سکینہؑ کے
ابوعذرہ بھی نہیں تھے۔ (ملاحظہ ہو نورالابصار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۰۰) الغرض ابوالفرج صاحب
کی دوسری روایت یہ ہے ان اباعذرہا عمر بن الحسن بن علی ثم خلف علیہا العثمانی
ثم مصعب بن الزبیر ثم الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروان یعنی جناب سکینہ
کے پہلے شوہر اور ابوعذر حضرت امام حسنؑ کے صاحبزادے عمر تھے۔ دوسرے شوہر عثمانی صاحب
تھے۔ تیسرے مصعب بن زبیر ہوئے۔ چوتھے اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان۔ اب انکی
تیسری روایت ملاحظہ ہو ان عبداللہ بن عثمان خلف الاصبغ علیہا یعنی جناب سکینہؑ
کی شادی پہلے اصبغ سے ہوئی اسکے بعد عبداللہ بن عثمان سے ہوئی۔ چوتھی روایت یہ
ہے ان سکینۃ کانت عند عمرو بن حکیم بن حزام ثم تزوجہا بعد ذلک زید بن عمرو
بن عثمان بن عفان ثم تزوجہا مصعب بن الزبیر فلما قتل مصعب خطبہا ابراہیم بن
عبدالرحمان بن عوف یعنی جناب سکینہؑ کے پہلے شوہر عمرو بن حکیم بن حزام۔ دوسرے

یہی ابن قیتبہ لکھتے ہیں واما سکینۃ فتزوجہا مصعب بن الزبیر فہلک عنہا فتزوجہا عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن حکیم بن حزام فولدت لہ قرینا ولہ عقب ۔ ثم تزوجہا الاصبغ بن عبد العزیز بن مروان ولم یدخل بہا ۔ ثم تزوجہا زید بن عمرو بن عثمان بن عفان ۔ یعنی جناب سکینہ کی پہلی شادی مصعب بن زبیر سے ہوئی ۔ وہ مرگئے تو دوسری شادی عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن حکیم بن حزام سے ہوئی جن سے ایک لڑکا قرین پیدا ہوا جسکی نسل بڑھی ۔ پھر تیسری شادی اصبغ بن عبد العزیز بن مروان سے ہوئی مگر ان میں نہیں ہوا اور ملاقات کے پہلے ہی جدائی ہوگئی ۔ اس کے بعد چوتھی شادی زید بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوئی (معارف مطبوعہ مصر ۱۳۵۳ھ) اسی کتاب اور مورخ کی دوسری تحقیق یہ ہے کانت سکینۃ عند عمرو بن حکیم بن حزام ثم تزوجہا بعدہ عمرو بن عثمان بن عفان ثم تزوجہا بعدہ مصعب بن الزبیر یعنی جناب سکینہ کی شادی پہلے عمرو بن حکیم بن حزام سے ہوئی ۔ پھر عمرو بن عثمان بن عفان کے ساتھ پھر مصعب بن زبیر سے ۔ انھیں نہایت نامور اور مستند مصنف کا تیسرا قول یہ ہے اول ازواج سکینۃ الاصبغ بن عبد العزیز اخو عمر بن عبد العزیز ثم مات عنہا ولم یرہا ثم خلف علیہا زید بن عمرو بن عثمان بن عفان ثم خلف علیہا مصعب بن الزبیر ثم خلف علیہا عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن حکیم بن حزام فولدت لہ عثمان الذی یقال لہ قرین وکانت قد ولدت من مصعب جاریۃ ۔ ثم خلف علیہا ابراہیم بن عبد الرحمان بن عوف صاحب ابراہیم بن سعد الفقیہ یعنی جناب سکینہ کے پہلے شوہر خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے بھائی اصبغ بن عبد العزیز تھے مگر وہ ابھی انکو دیکھنے بھی نہ پائے تھے کہ مصر میں مرگئے ۔ ان کے بعد زید بن عمرو بن عثمان ابن عفان نے ان سے شادی کی ۔ پھر مصعب بن زبیر سے ہوئی ۔ پھر عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن حکیم بن

حزام بیاہی گئیں جن سے آپکا ایک بیٹا عثمان معروف بہ قرین پیدا ہوا اور ان
لڑکے سمیت بیاہ مصعب کی ایک لڑکی بھی آپ سے پیدا ہوئی۔ پھر آپکا نکاح ابراہیم
بن عبد الرحمان بن عوف سے ہوا جو ابراہیم بن سعد فقیہ کے دادا تھے (معارف صفحہ)
اور علامہ سید مومن شبلنجی لکھتے ہیں تزوجت عبد اللہ بن الحسن السبط بن علی
کرم اللہ وجہہ فقتل عنہا بالطف قبل ان یدخل بہا۔ ثم تزوجہا مصعب بن الزبیر
یعنی جناب سکینہ کی شادی انکے چچازاد بھائی عبداللہ بن امام حسنؑ سے ہوئی جسکے
بعد عبداللہ کربلا میں شہید ہو گئے۔ اس وقت تک دونوں میاں بیوی اکٹھے بھی نہ
ہونے پائے تھے۔ اس کے بعد آپکی شادی مصعب بن زبیر سے ہوئی (نور الابصار مطبوعہ
مصر صفحہ ۱۷۵) علامہ موصوف نے صرف دو ہی شخصوں سے نکاح لکھا۔ تیسرا چوتھا سب
چھوڑ دیا۔ اور علامہ شیخ محمد صبان نے لکھا ہے وفی کلام غیر واحد ان سکینہ تزوجت
بابن عمہا عبد اللہ بن الحسنؑ فقتل عنہا بالطف ثم تزوجت بعدہ بازواج یعنی
کئی علماء کا قول ہے کہ جناب سکینہؑ کی شادی انکے چچازاد بھائی عبداللہ بن الحسنؑ سے
ہوئی تھی جسکے بعد عبداللہ کربلا میں شہید ہو گئے۔ ان کے بعد آپکی اور کئی شادیاں
ہوئیں (اسعاف الراغبین برحاشیہ نور الابصار مطبوعہ مصر صفحہ ۲۱۰) ان اختلافات
میں کئی نام ایسے بھی ذکر ہوئے ہیں جس سے زیادہ لطف نہیں حاصل ہو سکتا۔ یہ مناسب
معلوم ہوتا ہے کہ ایک نقشہ سے علمائے اہلسنت کے اُن اقوال اور انکے اختلافات
کو واضح کر دیا جائے۔

جدول در بیان اقوال علمائے اہلسنت متعلق ازواج جناب سکینہؑ بنت الحسینؑ

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب مع صفحہ	شوہر اول	شوہر دوم	شوہر سوم	شوہر چہارم	شوہر پنجم	شوہر ششم
۱	حافظ دمشقی	کتاب الدر فی خمسہ من غدر صفحہ ۲۶۱ نسخہ قلمی	مصعب بن زبیر	کوئی نہیں	کوئی نہیں	—	—	—
۲	علامہ یافعی	مرآۃ الجنان جلد ۱ صفحہ ۲۵۳	مصعب بن زبیر	عبداللہ بن عثمان بن عفان	... عبداللہ بن حکیم بن حزام	زید بن عمرو بن عثمان	کوئی نہیں	کوئی نہیں

نمبر	نام مصنف	کتاب و صفحہ	شوہر اول	شوہر دوم	شوہر سوم	شوہر چہارم	شوہر پنجم	شوہر ششم
(۹)	ابن قتیبہ	معارف [illegible]	مصعب بن زبیر	[illegible]	[illegible] مروان	[illegible] عثمان	کوئی نہیں	کوئی نہیں
(۱۰)	"	"	عمرو بن حکیم بن حزام	عمرو بن عثمان بن عفان	مصعب بن زبیر	کوئی نہیں	کوئی نہیں	کوئی نہیں
(۱۱)	"	"	اصبغ بن عبدالعزیز اخو عمر بن عبدالعزیز	زید بن عمرو بن عثمان ابن عفان	مصعب بن الزبیر	عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام	ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف [illegible]	کوئی نہیں
(۱۲)	سید مومن شبلنجی	نورالابصار ص۱۶۵	عبداللہ بن امام حسن ع	مصعب بن زبیر	کوئی نہیں	کوئی نہیں	کوئی نہیں	کوئی نہیں
(۱۳)	شیخ محمد صبان	اسعاف الراغبین ص۲۱۰	عبداللہ بن امام حسنؑ	کئی ازواج				

...س قدر بھیانک نشانہ [illegible] اختلافات دیکھنے کے بعد آسانی سے اسکا
فیصلہ ہو سکتا ہے [illegible] کا خون بہایا تھا یہ انکی ذریت کو [illegible]
خیال ہیں [illegible] روایات وضع کیں۔ اب ان روایتوں کے اختلافات
کا نتیجہ کیا ہونا چاہیے۔ [illegible] شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی لکھتے ہیں تعدد
رواة چوں [illegible] در قصہ واحد خبرے روایت کنند کہ خلاف دیگر
باشد قادح صحت خبر می شود نہ مفید شہرت۔ یعنی کسی واقعہ کے بیان کرنے میں جب
کئی راوی اس رنگ [illegible] کہ ہر شخص کا قول دوسرے کے مخالف ہو تو یہ اختلاف
بیانی سے اس واقعہ کا مشہور ہونا نہیں سمجھا جائیگا بلکہ غلط ہونا ثابت ہوگا (تحفہ
اثنا عشریہ) اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں ہرگز عاقل دریں قسم تخالف و اضطراب باحد الطرفین
عمل نمی تواں کرد۔ یعنی اس قسم کے اختلاف اقوال اور پریشان بیانی میں صاحبان عقل
کسی پر بھی عمل نہیں کر سکتے نہ کسی بات کو صحیح سمجھ سکتے ہیں۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص)

کتاب عمدة الطالب کا سکوت کامل

خاندان جناب رسالتمآب صلعم کے حالات میں ایک بہت جامع اور مفصل کتاب علامہ السید
جمال الملة والدین احمد بن علی بن الحسین بن علی بن مہنا داؤدی حسنی کی ہے جس کا نام ہے
عمدة الطالب فی انساب آل ابیطالب (یعنی حضرت ابوطالبؑ کی اولاد کے انساب
کے بیان میں یہ کتاب عمدة الطالب ہے) اسمیں خاندان جناب امیر المومنین علیہ السلام
کی سیکڑوں لڑکیوں کی شادی وغیرہ کے حالات بھرے ہوئے ہیں۔ اس کتاب کے
مصنف فرقہ اہلسنت کے بہت بڑے محقق اور علم انساب کے علامہ تھے ۸۲۸ھ ہجری
میں انتقال کیا۔ انھوں نے اس کتاب میں اولاد جناب ہاشم و عبد المطلب۔ اولاد
جناب عقیل بن ابیطالب۔ اولاد جناب جعفر طیار بن ابیطالب۔ اولاد جناب امام حسنؑ
اولاد جناب زید بن حسنؑ۔ اولاد حسن مثنیٰ۔ اولاد عبد اللہ المحض۔ اولاد نفس زکیہ
اولاد حسن مثلث۔ اولاد حضرت امام حسینؑ۔ اولاد حضرت امام زین العابدینؑ۔ اولاد

حضرت امام محمد باقرؑ۔ اولاد حضرت جعفر صادقؑ۔ اولاد حضرت امام علی رضاؑ۔ اولاد جعفر تواب۔ اولاد زید شہید ابن امام زین العابدینؑ۔ اولاد موسیٰ مبرقع۔ اولاد عبداللہ الباہر بن امام زین العابدینؑ۔ اولاد حسین اصغر ابن امام زین العابدینؑ۔ اولاد علی اصغر ابن امام زین العابدینؑ۔ اولاد جناب محمد بن حنفیہ۔ اولاد حضرت عباس علمبردار ابن حضرت امیر المومنینؑ نیز زید بن موسیٰ کاظمؑ۔ اسمٰعیل بن حضرت جعفر صادقؑ۔ جناب سید مرتضیٰ۔ جناب سید رضی۔ جناب محمد دیباج۔ جناب شاہ طاہر دکنی۔ جناب سید صدر جہاں قنوجی۔ حسن بن علی افطس۔ ابوہاشم امام فرقہ کیسانیہ۔ عمر الاطرف بن امیر المومنینؑ وغیرہ اور ان کے متعلقین و اولاد کے نسب کے حالات بہت تفصیل سے لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ فرقہ اسماعیلیہ۔ آل قتال۔ آل فخار۔ بنو ابی الجوج۔ بنو المختار۔ بنو الاعرج۔ بنو زبارہ کے پورے حالات دیئے ہیں۔ بلکہ مختلف ملکوں یہاں تک کہ ہندوستان کے بھی چھوٹے چھوٹے مقامات کے سادات مثلاً سادات شیراز۔ سادات مرعشیہ۔ سادات بنی زہرہ۔ سادات بنی معیہ۔ سادات گلستانہ۔ سادات بخاری۔ سادات رضویہ۔ سادات گرویز۔ سادات بھکر۔ سادات سامانہ۔ سادات رسولدار۔ سادات دہلی۔ سادات سونی پت۔ سادات بارہا۔ سادات سنبھل۔ سادات امروہہ۔ سادات زید پور و بھان متو و چندوارہ و لکھنؤ و سیتاپور و لاہرپور و خیرآباد و گلبرگہ کے احوال مفصل درج کیے ہیں۔ غرض اس ضخیم کتاب میں خاندان رسولؐ کی بکثرت اولاد ذکور و اناث کے رشتے۔ شادی بیاہ کے تعلقات جمع کئے ہیں۔ مگر اسمیں کہیں بھی جناب سکینہؑ کے ان نکاحوں کا ذکر کیا اشارہ تک نہیں ہے۔ پس اگر جناب سکینہؑ کے حالات ایسے مشہور ہوتے جیسے اغانی یا دلگداز میں لکھے گئے۔ اور اگر آپ کا نکاح واقعاً مصعب یا اصبغ یا زید بن عمرو بن عثمان یا عبداللہ بن عثمان وغیرہ سے ہوا ہوتا تو کیا اتنی بڑی کتاب جو خاص اغیں باتوں اور اسی خاندان کے لوگوں کے حالات میں لکھی گئی جناب سکینہ کے نکاح کا ذکر نہ کرتی اور اس مہتم بالشان مسئلہ سے بالکل خالی رہتی؟ در صورتیکہ

* اولاد اشرف ابن امام زین العابدین

اسمیں ہزاروں ایسے سادات کی شادی کے حالات موجود ہیں جو عوام کیا خواص میں بھی گمنام ہیں اور جنکے مقابلہ میں جناب سکینہؑ کا وجود وہی ہے جو ذروں کے مقابلہ میں آفتاب کا کہا جا سکتا ہے۔ پھر اس کتاب کے مصنف بھی حضرات اہلسنت ہی کے بڑے علامہ تھے جنکو مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ چنانچہ وہ خود اپنی کتاب میں کئی جگہ اس کا اشارہ کرتے گئے ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے الامام ابو محمد الحسن العسکری کان من الزھد والعلم علی امر عظیم وھو والد الامام المھدی ثانی عشر الائمۃ عند الامامیہ وھو القائم المنتظر عندھم یعنی امام حسن عسکریؑ زہد اور علم کے بڑے پایہ پر پہونچے ہوئے تھے۔ وہی امام مہدیؑ کے باپ تھے جو مذہب امامیہ میں بارہویں امام مانے جاتے ہیں اور جو اس مذہب والوں کے اعتقاد میں قائم اور منتظر ہیں (عمدۃ الطالب صفحہ ۱۸۶) اور علوم و کتب کے حالات میں علامہ چلپی نے جو مشہور کتاب لکھی ہے اس میں بھی اس کتاب کا حال موجود ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف لکھتے ہیں عمدۃ الطالب فی نسب آل ابیطالب لجمال الدین احمد المعروف بابن عقبہ المتوفی ۸۲۸ھ ثمان وعشرین وثمانمائۃ اخذہ من مختصر شیخہ ابی الحسن علی بن محمد بن علی الصوفی النسابہ ومن تالیف شیخہ ابی نصر سہل بن عبد اللہ البخاری وضم الیہما فوائد علقہا من عدۃ اماکن موشحا مذکرا لاخبار الولادۃ والوفاۃ اولہ الحمد للہ الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا الخ وبعد فان علم النسب علم عظیم المقدار اشار الکتاب العزیز بقولہ تعالی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا الی تفہیمہ لاسیما آل الرسول علیہ الصلوۃ والسلام لوجوب توقیرہم بالاجلال والاعظام لما ورد فیہ من البرھان ولم تزل انسابھم مضبوطۃ الا انی رأیت اوان تغربی فی البلاد کثیرا ممن یدعی العلوی فلا یتیسر علیہ فاردت ان اصنف فی انساب الطالبیین کتابا یجمع بین الفروع والاصول

ویضم الاحداث الی الذیول ۔ اهداه الی تیمورلنگ کان احد ... التم
احمد بن الحسین بن عتبۃ الحسنی نے کتاب عمدۃ الطالب جناب ابو طالبؑ
کے نسب کے حالات میں جمال الدین احمد بن ... بن عنبہ متوفی ۸۲۸ ہجری
کی تصنیف ہے۔ انھوں نے اس کتاب کو اپنے استاد ابوالحسن علی بن محمد
بن علی صوفی نسابہ کی مختصر اور اپنے دوسرے استاد ابونصر سہل بن عبداللہ بخاری
کی تالیف سے لکھا ہے۔ پھر اس کتاب میں ایسے فوائد بھی بڑھا دیئے ہیں جنکو
مختلف مقامات سے حاصل کیا تھا۔ خاصکر ولادۃ و وفاۃ کے حالات اضافہ کئے
ہیں۔ اس کتاب کی شروع کی عبارت (جسکا ترجمہ) یہ ہے کہ کل تعریف اس خدا کی
ہے جس نے پانی (یعنی منی) سے آدمی کو پیدا کیا پھر اسکو کسی کا بیٹا بیٹی اور
کسی کا داماد بہو بنایا الخ۔ اسکے بعد معلوم ہو کہ علم نسب ایسا عظیم القدر علم ہے
جسکے سمجھنے اور جسکے حاصل کرنیکی طرف قرآن مجید میں بھی اشارہ ہے کہ خدا نے فرمایا
لوگو۔ ہم نے تمہاری ذاتیں اور برادریاں ٹھہرائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو
(پارہ ۲۶ رکوع ۱۴) خاصکر آل رسول علیہ الصلوۃ کے حالات کا جاننا تو زیادہ
ضروری ہے کیونکہ انکی طرف اجلال و اعظام کے ساتھ توجہ کرنا واجب ہے۔
جیسا کہ دلیلوں سے واضح کردیا گیا ہے۔ اور ان حضرات کے نسبوں کے حالات
اچھی طرح ضبط تھے مگر اب جو میں اکثر شہروں میں پھرا تو یہ بھی دیکھا کہ بعض لوگ
جو سید نہیں ہیں زبردستی سید بننا چاہتے ہیں اور لوگ اس پر اعتراض نہیں کرتے۔
تو میں نے ارادہ کیا کہ حضرت ابوطالب کی نسل کے بیان میں ایک کتاب ایسی لکھوں جسمیں
اسکے کل بڑے اور چھوٹے خاندان اور ہر بزرگ و خرد قبیلہ کے حالات درج کردوں
اس کتاب کو مصنف نے بادشاہ تیمور لنگ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا تھا۔
اس کتاب کا ایک خلاصہ بھی کیا گیا ہے۔ جسکو شہاب الدین احمد بن حسین بن عتبہ
حسنی نے لکھا ہے (کتاب کشف الظنون مطبوعہ مصر جلد ۲ صـ۱۳۳)

جناب سکینہ کا کس سے عقد ہوا

ان تصنیفات کے بعد ناظرین کتاب کو حیرت ہوگی کہ جناب سکینہ کی شادی یا نکاح کس [illegible] سے ہوا تو اسکے فیصلہ کے لئے میں وہی مشہور اصول ذکر کرونگا جو پہلے عرض کر چکا [illegible] مشہور مورخ شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ "حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے و صاحب البیت ادری بما فی البیت گھر کی باتوں کا علم اس گھر والوں ہی کو بہتر ہو سکتا ہے" (سیرۃ النعمان صفحہ ۱۲۷) اسی بنا پر ان کتابوں میں تلاش کیجئے جنکے مضامین حضرات اہلبیتؑ ہی کے ارشادات اور احادیث سے لکھے گئے ہیں اور جنکے مصنفین کی روایتوں کا سلسلہ اسی گھر والوں تک پہونچتا ہے۔ اس قسم کی کتابیں حضرات ائمہ [illegible] علیہم السلام کے حالات میں ارشاد از شیخ مفید علیہ الرحمہ۔ اعلام الوریٰ از علامہ طبرسی علیہ الرحمہ۔ بحار الانوار و جلاء العیون از علامہ مجلسی علیہ الرحمہ زیادہ مشہور اور معتبر ہیں۔ ان کتابوں سے ارشاد۔ بحار الانوار اور جلاء العیون میں جناب سکینہؑ کی شادی کا ذکر ہی نہیں ہے۔ البتہ علامہ طبرسی علیہ الرحمہ کی کتاب میں ہے وکان عبد اللہ بن الحسن قد زوجہ الحسین علیہ السلام ابنتہ سکینہ فقتل قبل ان یبنی بھا یعنی حضرت امام حسنؑ کے صاحبزادے عبد اللہ سے حضرت امام حسینؑ نے اپنی بیٹی سکینہؑ کا نکاح کر دیا تھا مگر قبل اسکے کہ دونوں اکٹھے ہوں (یا جناب سکینہ کی رخصتی ہو) جناب عبد اللہ شہید ہو گئے" (اعلام الوریٰ مطبوعہ ایران صفحہ ۱۲۷) اس نکاح کے علاوہ اور کسی نکاح کا ذکر کسی کتاب میں نہیں ہے جسے ماننا پڑیگا

لہ حضرت امام حسنؑ کی اولاد میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی تھیں۔ جناب علامہ الشیخ مفید علیہ الرحمہ نے یہ نام لکھے ہیں۔

لڑکے (۱) زید (۲) حسن مثنیٰ (۳) عمرو (۴) قاسم (۵) عبد اللہ (۶) عبد الرحمان (۷) حسین اثرم (۸) طلحہ

لڑکیاں (۱) ام الحسن (۲) ام الحسین (۳) فاطمہ (۴) ام عبد اللہ (۵) دوسری فاطمہ

کہ جناب سکینہؑ کا نکاح صرف بھتیجے عبداللہ بن امام حسنؑ سے کیا گیا۔ انکے سوا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱)

(۶) ام سلمہ (۷) رقیہ (ارشاد مطبوعہ ایران صفحہ ۲۰۸) و جناب علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے ایک اور لڑکے کا ذکر کیا ہے جس کا نام ابوبکر لکھا ہے (اعلام الوریٰ صفحہ ۱۲۶) مگر صاحب عمدۃ الطالب نے لکھا ہے کہ عبد اللہ هو ابوبکر یعنی ابوبکر کوئی علحدہ لڑکے نہیں تھے۔ بلکہ عبداللہ ہی کی کنیت تھی (عمدۃ الطالب صفحہ ۴۸) اور علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ عبد اللہ والقاسم۔ ابنا الحسن قتلا مع الحسین بن علی بکربلاء یعنی جناب امام حسنؑ کے فرزندان عبداللہ و قاسم جو دونوں حقیقی بھائی ایک ہی ماں سے تھے کربلا میں اپنے چچا حضرت امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہو گئے (اعلام الوریٰ صفحہ ۱۲۶) ان وجوہ سے خیال ہوتا ہے کہ جناب سکینہؑ کے شوہر یہی عبداللہ تھے جن کی کنیت ابوبکر تھی اور یہ وہی عبداللہ ہیں جو بروز عاشورا آخر وقت میں حضرت سید الشہداء کے پاس پہونچے اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر چچا کو بچانا چاہا جس سے آپ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے اسکے بعد ذبح ہو گئے (ارشاد صفحہ ۲۶۵ و اعلام الوریٰ صفحہ ۱۲۷) مگر صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہے کہ کربلا میں حضرت امام حسنؑ کے دو فرزند عبداللہ نامی شہید ہوئے ہیں ایک وہ جنکی کنیت ابوبکر تھی۔ وہ حضرت قاسمؑ سے بڑے تھے اور جناب قاسمؑ کے بعد باقاعدہ جہاد کرکے دشمنوں کو قتل کیا اسکے بعد شہید ہوئے۔ دوسرے وہ جو آخر وقت میں حضرت کی گود میں آکر ذبح ہوئے (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۸۵ و ۳۰۳)

جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بھی لکھا ہے کہ جناب قاسمؑ کے بعد جناب عبد اللہ بن حسنؑ جہاد کرنے نکلے۔ رجز کے اشعار پڑھے پھر ۱۴ شخصوں کو قتل کیا۔ اسکے بعد شہید ہوئے (بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۱) اس کے بعد دوسرے عبداللہ کی شہادت بھی حضرت امام حسینؑ کی گود میں لکھی ہے (بحار جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۶) اس صورت میں اسکی تحقیق مشکل ہے کہ جناب سکینہؑ کے شوہر کون عبداللہ تھے۔ اگرچہ صاحب ناسخ نے تصریح کی ہے کہ جن عبد اللہ کی کنیت ابوبکر تھی وہی جناب سکینہؑ کے شوہر تھے۔ لیکن ابو الفرج اصفہانی

کسی اور شخص سے نہیں ہوا۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ علامہ طبرسی دو لوگوں کا نام چھوڑ دیتے اور صرف عبداللہ کا ذکر کرتے مگر چونکہ یہ شادی ہوئی ہی نہیں اور صرف بنی امیہ کو خوش اور خاندان رسولؐ کو بدنام کرنے کی غرض سے جناب سکینہؑ کی بے پردگی، عیاشی، دلربا اداؤں، ناز آفرینی وغیرہ کا اشتہار دینا مقصود تھا اس وجہ سے کسی محقق عالم نے اس اتہام کو بیان نہیں کیا۔ بہرحال یہ یقینی ہے کہ جناب سکینہؑ کا نکاح حضرت امام حسنؑ کے صاحبزادے عبداللہ سے ہوا۔ علامہ شبلنجی نے بھی لکھا ہے۔ (نور الابصار صفحہ ۱۵۸) شیخ محمد صبان نے بھی ذکر کیا ہے (اسعاف الراغبین صفحہ ۲۰۲) ابوالفرج نے بھی ذکر کیا ہے (اغانی جلد ۱۴ صفحہ ۱۶۸) اور بہت بکثرت علمائے اہلسنت نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ پھر جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے ارشاد میں اور جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲)

کی ایک روایت ہے کہ ان عبد الله بن حسن زوجها كان يكنى ابا جعفر یعنی جناب سکینہؑ کے شوہر عبداللہ کی کنیت ابوجعفر تھی (اغانی جلد ۱۴ صفحہ ۱۶۸) ان اختلافات کا دفعیہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ارشاد کے بیان کے مطابق امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں صرف ایک عبداللہ مانے جائیں کیونکہ علمائے اعلام کا فیصلہ ہے کہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کا قول سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے جناب علی بن عیسیٰ اربلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں فما ذکره الشیخ المفید هو الذی یعتمد علیه فی هذا الباب لانه اشد حرصا واکثر تنقیبا وکشفا وطلبا لهذه الامور یعنی اس باب میں جناب شیخ مفید رحمہ اللہ نے جو ذکر کیا ہے وہی قابل اعتماد ہے کیونکہ ان باتوں کی تحقیق کرنے میں انھیں سب سے زیادہ فکر رہتی تھی اور ان امور پر شبہ اور غلطی کے جو پردے پڑ جاتے ہیں انکے دفع کرنے اور اصلی بات تک پہونچ جانے میں وہ غایت درجہ کوشش کرتے اور نہایت دقت نظر سے کام لیتے تھے۔ (کشف الغمہ مطبوعہ ایران)

بحار الانوار میں جناب [illegible] نکاح کو کیوں [illegible] تو
یہ ہونا چاہیے کہ غالباً اسکی وجہ یہ ہوگی کہ جناب عبداللہ بن امام حسنؑ سے آپ کا نکاح
ہونا نہ ہونا تقریباً برابر تھا کیونکہ دونوں کے درمیان نکاح [illegible] بتا
گیا تھا اور نہ رخصتی ہوئی نہ شوہر اور بیوی اکٹھے ہوئے بلکہ ان کل باتوں کے
پہلے ہی جناب عبداللہ شہید ہو گئے۔ اور نکاح کے وقت جناب سکینہؑ کمسن بھی
تھیں جس سے غالباً رخصتی کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

آپ کا نکاح کس سال ہوا یہ بھی کتابوں میں موجود نہیں ہے مگر یہ یقینی ہے کہ واقعہ کربلا سے پہلے ہو چکا تھا کیونکہ علامہ طبرسی رحمۃ اللہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ اس نکاح کے بعد جناب عبداللہ کربلا میں شہید ہوئے ہیں۔ (اعلام الوریٰ ص ۱۲۷) اور فاضل محمد صبان نے بھی لکھا ہے ان سکینۃ تزوجت بابن عمہا عبد اللہ بن الحسن فقتل عنہا بالطف یعنی جناب سکینہ کا نکاح انکے چچا زاد بھائی عبداللہ بن امام حسنؑ کے ساتھ کیا گیا جو کربلا میں شہید ہو گئے۔ (اسعاف الراغبین ص ۲۰۷) اور بھی بہت سے علمائے اہلسنت نے یہی لکھا ہے جن سب کے ذکر میں طول ہوگا۔

جناب سکینہ کے عہد طفولیت کے متعلق اغانی کے افتراء کا ایک واضح نمونہ کتاب اغانی اور مسٹر عبدالحلیم صاحب شرر کے رسالہ دلگداز حالات جناب سکینہؑ میں ایسی خلاف عقل و قیاس باتیں ہیں جن پر بچے بھی ہنس دیں گے۔ چنانچہ شرر صاحب اغانی سے یہ واقعہ بھی لکھتے ہیں "جناب سکینہ اگرچہ بہت بڑی بزلہ سنج تھیں اور اپنے مذاق صحبت میں ہمیشہ ہر دل عزیز بننے کی کوشش فرماتی تھیں اور ہر شخص کے ساتھ نہایت ہی اخلاق سے پیش آتی تھیں۔ مگر اسکے ساتھ ہی نسبی فخر کا ناز اور خودداری کا خیال اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ممکن نہ تھا کہ کسی صحبت میں کسی سے دب جائیں۔ جناب سید الشہداء علیہ السلام کی زندگی ہی کا واقعہ ہے

کہ ایک مرتبہ آپ مدینہ کی کسی بہت [illegible] تعزیت میں شریک تھیں [illegible] جناب [illegible] کا ہوا
ذوالنورین کی ایک صاحبزادی بھی موجود تھیں۔ تناسب بہت میں ذوالنورین کی بیٹی
نے فخر و مباہات کے بیچ میں کہا میں شہید کی بیٹی ہوں۔ اگرچہ بعد چند روز کے زمانہ
نے ثابت کر دیا کہ شہادت کے میدان میں جناب سکینہؑ کے والد کو جو مرتبہ حاصل ہوا وہ
بہت بڑھا ہوا تھا مگر اس وقت آپ اس امر کے ثابت کرنے کے لئے تیار نہ تھیں خاموش
ہو رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب قریب کی مسجد سے اذان کی آواز آئی آپ سنبھل بیٹھیں
اور جیسے ہی موذن نے کہا اشہد ان محمد رسول اللہ آپ نے حضرت عثمان کی بیٹی سے
دریافت کیا بھلا بتاؤ تو سہی یہ میرے دادا کا نام ہے یا تمہارے دادا کا؟ اس سوال پر
شرما کے ذوالنورین کی بیٹی نے کہا اب میں کبھی تمہارے سامنے فخر کا کلمہ زبان سے نہ
نکالونگی"۔ (دلگداز ۔۔۔ جلد) اس واقعہ کو تاریخ کے سلسلہ سے جانچئے تو
کسی طرح صحیح ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ واقعہ کربلا سے قبل کا قصہ بتایا
گیا ہے تو رجب ۶۰ھ سے قبل کا ہوگا۔ اور جناب سکینہ کی ولادت ۵۶ھ ہجری
میں ثابت کیجا چکی ہے تو اس حکایت کے وقت جناب سکینہ کی عمر ۴ یا ۵ سال کی
ہوگی۔ اس عمر میں فخر و مباہات کا اس قدر جوش کہ بھری مجلس میں یہی تنکر ہے بچپن
کی عمر کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا امر یہ کہ اگر اس واقعہ کو صحیح مانیں جب بھی جناب
سکینہؑ کے فوراً خاموش رہنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جس طرح انھوں نے اذان کی
آواز آنے پر اپنے جد بزرگوار حضرت رسولخداؐ کی نبوت سے جناب عثمان کی صاحبزادی
کا جواب دیا اسی طرح وہ اپنے دادا حضرت امیر المومنینؑ کی شہادت سے فوراً جواب دیتیں کہ
"میں شہید کی پوتی ہوں" اس لئے کہ حضرت امیر المومنینؑ جناب سکینہؑ کی ولادت سے
پہلے شہید ہو چکے تھے۔ بلکہ آپ اس سے زیادہ خوبصورت جواب دیسکتی تھیں کہ فرماتیں
"میں اسکی پوتی ہوں جو خدا کے مہینہ اور خدا کے گھر میں شہید ہوا" کہ ان دونوں خوبیوں
سے حضرت عثمان محروم تھے۔ جناب سکینہ یہ بھی کہہ سکتی تھیں کہ تم اسکی بیٹی ہو جو

بحار الانوار میں جناب عبداللہ بن حسن سے نکاح کو کیوں بیان کیا ہے یہ ہو یا جا سکتا ہے کہ غالباً اسکی وجہ یہ ہوگی کہ جناب عبداللہ بن امام حسنؑ سے آپ کا نکاح ہونا نہ ہونا تقریباً برابر تھا کیونکہ دونوں کے درمیان نکاح کا صرف صیغہ پڑھا گیا تھا اور نہ رخصتی ہوئی نہ شوہر اور بیوی اکٹھے ہوئے بلکہ ان باتوں کے پہلے ہی جناب عبداللہ شہید ہو گئے۔ اور نکاح کے وقت جناب سکینہؑ کمسن بھی تھیں جس سے غالباً رخصتی کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

آپ کا نکاح کس سال ہوا یہ بھی کتابوں میں موجود نہیں ہے مگر یہ یقینی ہے کہ واقعہ کربلا سے پہلے ہو چکا تھا کیونکہ علامہ طبرسی رحمہ اللہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ اس نکاح کے بعد جناب عبداللہ کربلا میں شہید ہوئے ہیں۔ (اعلام الوریٰ ص ۱۲۷) اور فاضل محمد صبان نے بھی لکھا ہے ان سکینۃ تزوجت بابن عمہا عبد اللہ بن الحسن فقتل عنہا بالطف یعنی جناب سکینہ کا نکاح انکے چچازاد بھائی عبداللہ بن امام حسنؑ کے ساتھ کیا گیا جو کربلا میں شہید ہو گئے۔ (اسعاف الراغبین ص ۲۰۲) اور بھی بہت سے علمائے اہلسنت نے یہی لکھا ہے جن سب کے ذکر میں طول ہوگا۔

جناب سکینہ کے عہد طفولیت کے متعلق اغانی کے افترا کا ایک واضح نمونہ کتاب اغانی اور مسٹر عبدالحلیم صاحب شرر کے رسالہ ولگداز حالات جناب سکینہؑ میں ایسی خلاف عقل و قیاس باتیں ہیں جن پر بچے بھی ہنس دیں گے۔ چنانچہ شرر صاحب اغانی سے یہ واقعہ بھی لکھتے ہیں "جناب سکینہ اگرچہ بہت بڑی بزلہ سنج تھیں اور اپنے مذاق صحبت میں ہمیشہ ہر دل عزیز بننے کی کوشش فرماتی تھیں اور ہر شخص کے ساتھ نہایت ہی اخلاق سے پیش آتی تھیں۔ مگر اسکے ساتھ ہی نسبی فخر کا ناز اور خودداری کا خیال اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ممکن نہ تھا کہ کسی صحبت میں کسی سے دب جائیں جناب سید الشہدا علیہ السلام کی زندگی ہی کا واقعہ ہے

کہ ایک مرتبہ آپ مدینہ کی کسی صحبت تعزیت میں شریک تھیں جہاں جناب عثمان
ذوالنورین کی ایک صاحبزادی بھی موجود تھیں۔ اثنائے صحبت میں ذوالنورین کی بیٹی
نے فخر و مباہات کے لہجے میں کہا میں شہید کی بیٹی ہوں۔ اگرچہ بعد چند روز کے زمانہ
نے ثابت کر دیا کہ شہادت کے میدان میں جناب سکینہؑ کے والد کو جو مرتبہ حاصل ہوا وہ
بہت بڑھا ہوا تھا مگر اس وقت آپ اس امر کے ثابت کرنے کے لئے تیار نہ تھیں خاموش
ہو رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب قریب کی مسجد سے اذان کی آواز آئی آپ سنبھل بیٹھیں
اور جیسے ہی موذن نے کہا اشہد ان محمد رسول اللہ آپ نے حضرت عثمان کی بیٹی سے
دریافت کیا بھلا بتاؤ تو سہی یہ میرے دادا کا نام ہے یا تمہارے دادا کا؟ اس سوال پر
شرما کے ذوالنورین کی بیٹی نے کہا اب میں کبھی تمہارے سامنے فخر کا کلمہ زبان سے نہ
نکالونگی۔" (دلگداز ۳ جلد) اس واقعہ کو تاریخ کے سلسلہ سے جانچئے تو
کسی طرح صحیح ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ واقعہ کربلا سے قبل کا قصہ بتایا
گیا ہے تو رجب ۶۰ھ سے قبل کا ہوگا۔ اور جناب سکینہ کی ولادت ۵۶ھ ہجری
میں ثابت کیجا چکی ہے۔ تو اس حکایت کے وقت جناب سکینہ کی عمر ۴ یا ۵ سال کی
ہوگی۔ اس عمر میں فخر و مباہات کا اس قدر جوش کہ بھری مجلس میں یہی ذکر رہے بچپن
کی عمر کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا امر یہ کہ اگر اس واقعہ کو صحیح مانیں جب بھی جناب
سکینہؑ کے فوراً خاموش رہنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جس طرح انھوں نے اذان کی
آواز آنے پر اپنے جد بزرگوار حضرت رسولخداؐ کی نبوت سے جناب عثمان کی صاحبزادی
کا جواب دیا اسی طرح وہ اپنے دادا حضرت امیرالمومنینؑ کی شہادت سے فوراً جواب دیتیں کہ
"میں شہید کی پوتی ہوں" اس لئے کہ حضرت امیرالمومنینؑ جناب سکینہؑ کی ولادت سے
پہلے شہید ہو چکے تھے۔ بلکہ آپ اُس سے زیادہ خوبصورت جواب دے سکتی تھیں کہ فرماتیں۔
"میں اسکی پوتی ہوں جو خدا کے مہینہ اور خدا کے گھر میں شہید ہوا۔" کہ ان دونوں خوبیوں
سے حضرت عثمان محروم تھے۔ جناب سکینہ یہ بھی کہہ سکتی تھیں کہ تم اُسکی بیٹی ہو جو

مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کیا گیا۔ اور یہ اُنکی پوتی ہیں جو ناحق کے ہاتھ سے شہید ہوا جسکے شہید سمجھے جانے میں کسی کو شبہہ بھی نہیں ہو سکتا جناب سکینہؑ کی ولادت سے پہلے حضرت امام حسنؑ بھی شہید ہو چکے تھے تو جناب سکینہ فوراً یہ بھی کہہ سکتی تھیں کہ تم صرف شہید کی بیٹی ہو اور میں شہید کی پوتی بھی ہوں اور بھتیجی بھی۔ جناب سکینہؑ کے فوراً جواب دینے کی یہ بات بھی تھی کہ تم شہید کی بیٹی ہو تو میں فرزند رسولؐ کی بیٹی ہوں۔ میں سردار جوانان بہشت کی بیٹی ہوں۔ بلکہ حضرت عثمان کی صاحبزادی کو شرمندہ کر دینے والا جواب جناب سکینہؑ کے پاس یہ بھی تھا کہ "میں اُس بزرگ کی پوتی ہوں جو کبھی کافر نہیں رہا" کہ جس سے جناب عثمان کی صاحبزادی عمر بھر کے لئے خاموش ہو جاتیں اس لئے کہ انکے دادا عفان نعمت ایمان و اسلام سے محروم رہے اور حالت کفر میں مرے تھے۔ غرض جناب سکینہ بیسیوں جواب فوراً دے سکتی تھیں۔ اور انکو اذان کی آواز کی حاجت نہیں تھی۔ مگر یہ سب تو اُس وقت ہوتا جب واقعہ صحیح ہوتا۔ لیکن عقل تو اس واقعہ ہی کو مستبعد سمجھتی ہے۔ اس لئے کہ جناب سکینہؑ ۷ یا ۸ سال کی عمر میں عرب کے کسی خاندان میں بطور تعزیت کیوں جاتیں۔ اتنی کمسن بچی تو رسم تعزیت نہیں ادا کرتی ہے در صورتیکہ اُن کے گھر میں بزرگ عورتیں موجود تھیں۔ اگر دادیہالی قرابت کی وجہ سے اُس مجلس تعزیہ میں گئی تھیں تو اس کام کے لئے جناب زینبؑ۔ جناب ام کلثوم بہتر تھیں۔ اور اگر ننہالی رشتہ کے سبب سے گئی تھیں تو آپ کی مادر گرامی جناب رباب تھیں وہی جاتیں۔ غرض اتنی کمسن لڑکی اس کام کے لئے کیوں تجویز کیجاتیں۔

واقعہ کربلا ۶۱ھ میں جناب سکینہ اپنے بھرے گھر کے ساتھ کربلا پہونچیں۔ جہاں آپ کو خاص طور پر کئی نہایت سخت صدمے اٹھانے پڑے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ان مصائب سے آپکی حالت کیا ہوئی ہوگی۔ ایک صدمہ آپکے شفیق چچا حضرت عباس بن امیر المومنینؑ کی شہادت کا ہوا جو آپکو نہایت عزیز رکھتے

تھے ۔ دوسرا صدمہ آپ کے چھوٹے بھائی جناب علی اصغرؑ کی شہادت کا ہوا جو آپکی مادر مہربان جناب رباب کے بطن سے تھے اور شیرخوار ہونے کی وجہ سے جناب سکینہؑ کے کھلونا تھے ۔ اس بچے کے بھی تیر کھا کر شہید ہو جانے سے آپؑ پر جو گزری کوئی دل اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا ۔ تیسرا صدمہ آپ کے چچازاد بھائی اور شوہر جناب عبداللہ بن امام حسنؑ کی شہادت کا ہوا ۔ چوتھا صدمہ آپکے والد ماجد نور خدا حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا ہوا جو سب سے بڑھ گیا ۔ جب حضرت عورتوں کو رخصت کرکے میدان کارزار کو چلے ہیں ۔ اُس وقت کی حالت علامہ ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ نے یہ لکھی ہے ۔ وکانت سکینة تصیح فضمها الی صدرہ وقال ؎ سیطول بعدی یا سکینة فاعلمی ۔ منک البکاء اذا الحمام وھانی + لاتحرقی قلبی بدمعک حسرة ۔ مادام منی الروح فی جثمانی + واذا قتلت فانت اولی بالذی ۔ تاتینه یاخیرة النسوان + یعنی جناب سکینہؑ چیخ کر رونے لگیں تو حضرت امام حسینؑ نے انکو سینے سے لپٹا لیا اور اُن سے چند شعر فرمائے جن کا مطلب یہ ہے کہ اے سکینہ جب میری موت آجائیگی اُس وقت سے تو تم کو بہت کچھ رونا ہی ہے جو مدت تک رہیگا اسکو تم اچھی طرح جان لو ۔ مگر جب تک میں زندہ ہوں اُس وقت تک تو تم رو کر اور حسرت کے آنسو بہا کر مجھے پریشان نہ کرو کہ تمہارے رونے سے میرا دل جلا جاتا ہے ۔ جب میں قتل ہو جاؤں گا تو اے سردار زنان جو کچھ تم اپنا حال تباہ کروگی وہ سب مناسب ہوگا ۔ (مناقب آل ابیطالب جلد ۴ صفحہ ۹ مطبوعہ بمبئی) یہ اشعار قابل غور ہیں جن سے بہت مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں ۔ اول یہ کہ کربلا میں حضرت سید الشہداءؑ کے رونے والے بہت موجود تھے خصوصاً آپ کی دونوں بہنیں جناب زینب وام کلثوم اور فرزند امام زین العابدینؑ اور بڑی صاحبزادی جناب فاطمہ زوجہ حسن مثنیٰ ۔ مگر حضرت نے کسی سے بھی اس قسم کے

اشعار نہیں فرمائے کہ تم کو میرے بعد مدتوں تک رونا ہوگا۔ اب جناب سکینہ میں کیا خصوصیت تھی جسکی وجہ سے حضرت نے صرف اُن سے یہ کلام کیا اور دوسروں سے نہیں۔ حالات کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب زینبؑ کا واقعہ کربلا سے تھوڑے ہی دنوں کے بعد انتقال ہوگیا۔ اور اُسوقت آپ کے شوہر جناب عبداللہ بن جعفر زندہ تھے جو بہت کچھ آپکی تسکین و تشفی فرماتے اور آپکے آنسو پونچھتے۔ اور جناب زینب کے کئی لڑکے بھی پیدا ہوئے تھے [1] ان وجوہ سے جناب زینبؑ کے بارے میں حضرت نے نہیں فرمایا کہ تم کو میرے بعد بہت مدت تک رونا ہے۔ اسی طرح جناب ام کلثوم بھی واقعہ کربلا کے بعد چند ہی سالوں تک زندہ رہیں اور انکی شادی بھی ہوئی تھی شوہر کے ساتھ رہیں تھی اسی سبب سے اُن کے بارے میں بھی حضرت کا یہ فرمانا بیجا ہوتا کہ تم کو میرے بعد بہت دنوں تک رونا ہوگا۔ حضرت امام زین العابدینؑ اگرچہ ۹۵ سنہ ہجری تک اپنے پدر بزرگوار کو روتے رہے مگر حضرت امام حسینؑ جانتے تھے کہ یہ میرے بعد شیعوں کے امام اور سردار ہونگے ان کو بہت سے دینی اور بعض دنیوی کام بھی کرنے ہونگے۔ اپنی بیویوں سے معاشرت کرکے زندگی کا فطری لطف بھی ضرور حاصل کرینگے۔ ابھی انکے کئی لڑکے اور لڑکیاں بھی ہونگی وہ بھی بہت کچھ ان کا دل بہلائیں گے اس خیال سے حضرت اپنے فرزند جناب سید سجاد سے بھی یہ نہیں فرماسکتے تھے کہ تم کو میرے بعد بہت دنوں تک رونا ہوگا۔ آپکی بڑی صاحبزادی جناب فاطمہ جن کے شوہر حسن مثنیٰ کربلا میں زخمی ہوئے مگر بعد کو علاج کیا گیا تو اچھے ہوگئے [2] بہت دنوں تک اپنے شوہر کے ساتھ رہیں اور

[1] اصابہ جلد ۸ صفحہ ۱

[2] علامہ سید جمال الملۃ والدین احمد بن علی لکھتے ہیں۔ وکان الحسن بن الحسن شهد الطف مع عمه الحسين واثخن بالجراح فلما ارادوا اخذ الرؤس وجدوا به رمقا فقال اسماء بن خارجه بن عيينه بن حصين بن حذيفه

لطف ... اور ... کی بھی حاصل کیا۔ کئی اولاد کی ... ساتھ ہی ہوئیں۔ اس وجہ سے حضرت نے اپنے بارے میں کبھی نہیں فرمایا کہ میرے بعد تم کو بہت مدت تک رونا ہوگا۔ ان کل حضرت ... جنابِ سکینہؑ کی حالت تھی کہ اس وقت آپ کی عمر آٹھ برس کی تھی اور

(البدایہ والنہایہ صفحہ ۳۸) بن بدر الفزاری دعوہ لی فان وهبه اللہ عبید اللہ بن زیاد لی درای رایہ فیہ۔ فترکوہ له فحملوہ الی الکوفه وحکوا ذلك لعبید اللہ بن زیاد فقال دعوا الی حسان ابن اخته وعالجه اسماء حتی بری ثم لحق بالمدینة یعنی جناب حسن مثنیٰ اپنے چچا امام حسینؑ کی طرف سے کربلا میں لڑے اور زخمی ہوکر گرے۔ جب شہیدوں کے سر کاٹے گئے تو آپ میں جان موجود تھی اس پر آپ کے خالہ زاد بھائی اسماء بن خارجہ نے لوگوں سے کہا کہ انھیں مجھے دیدو اگر ابن زیاد نے مجھے بخش دیا تو خیر ورنہ جو کہیگا ہوگا۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور انکو کوفہ لیگئے اور ابن زیاد سے اسماء کی درخواست ذکر کی۔ اس نے کہا اسماء کو انھیں دیدو۔ غرض اسماء نے جناب حسن مثنیٰ کا علاج کیا جس سے وہ اچھے ہوگئے اور مدینہ واپس آئے (عمدۃ الطالب صفحہ ۷۹) یہی مضمون تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۶۳ نور الابصار صفحہ ۱۲۰ اسعاف الراغبین صفحہ ۱۸۴ فصول مہمہ قلمی صفحہ وغیرہ کتب اہلسنت اور ارشاد مطبوعہ ایران صفحہ ۲۱۱ لہوف علی قتلی الطفوف مطبوعہ صفحہ ۲۳ کشف الغمہ صفحہ ۱۷۲ بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۳ اور ناسخ التواریخ جلد ۵ صفحہ ۲۹۰ نیز ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۳۸۲ وغیرہ کتب شیعہ میں بھی ہے۔ اور جناب فاطمہؑ کے بطن سے کئی اولاد (عبد اللہ محض۔ ابراہیم غمر و حسن مثلث و ام جعفر) کا پیدا ہونا اکثر کتب معتبرہ اہلسنت و شیعہ میں موجود ہے اور یہ تینوں لڑکے بھی صاحب اولاد ہوئے اور انکی نسل بڑھی (ملاحظہ ہو نور الابصار صفحہ ۱۲۵ و تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۶۳ و ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۵۲۳ وغیرہ)

آپکا نکاح ہو گیا تھا۔ اور شوہر جن کے ساتھ زندگی آرام سے بسر ہوتی حضرت کے سامنے درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ اور حضرت جانتے تھے کہ سکینہ اس درجہ عبادت و خوف خدا میں ڈوبی رہتی ہیں کہ پہلے ہی سے یہ شادی کے قابل نہیں تھیں نہ اب کوئی شخص ان سے عقد کریگا۔ تو یہ اس طرح بیوہ ہوکر مدینہ جائیں گی جہاں نہ انکی مناسب دل بستگی کرنے والا کوئی ہوگا اور نہ میری مصیبت پر رونے سے کوئی زبردست منع کرنے والا ہوگا نہ وہ اسباب مہیا ہوں گے جن سے ان کا غم غلط ہو سکے۔ نہ اولاد ہوگی جو انکے آنسو پونچھیگی ان وجوہ سے یہ مدۃ العمر مجھ پر روتی رہیں گی۔

مصعب وغیرہ سے نکاح نہ ہونیکی ایک اور عقلی دلیل ہمارے اس دعوی کی کہ جناب سکینہ کا نکاح صرف ان کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن امام حسنؑ سے ہوا اور وہ قبل زفاف کربلا میں شہید ہو گئے اور پھر جناب سکینہؑ سے کسی شخص نے نکاح نہیں کیا۔ ایک اور بہت قوی دلیل یہ ہے کہ معتبر کتابوں میں آپ کی اولاد کا بالکل پتہ نہیں ہے سنی اور شیعہ محدثین و مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی نسل آپ کی حسب ذیل اولاد سے ہوئی (۱) امام زین العابدینؑ (۲) جناب فاطمہؑ۔ چنانچہ علامہ احمد حسینی لکھتے ہیں وعقبہ من ابنہ علی زین العابدین ... ثم ان فاطمہ بنت الحسینؑ ام اولاد الحسن المثنیٰ یعنی حضرت امام حسینؑ کی نسل حضرت امام زین العابدینؑ اور حضرت کی بڑی صاحبزادی جناب فاطمہ زوجہ حسن مثنیٰ سے ہوئی جن سے کئی اولاد پیدا ہوئی تھی (عمدۃ الطالب صفحہ ۱۸۰ و ۱۸۱)

نسل امام حسینؑ کی برکت جناب شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے اما البنون فمنھم الامام زین العابدین علی بن الحسین ومنہ العقب فی اولادہ ولم یبق من اولاد

ذات الیوم الا علی الاصغر زین العابدین رضی اللہ عنہ لاجرم ان اللہ تعالیٰ خلق من صلبہ من ملأ من اہل بیت النبوۃ سلام اللہ علیہم اجمعین بسطہم شرقاً وغرباً حتی لا یخلو بلد ولا صقع منہم ولم یبق من اولاد یزید وخدمہ وحمل بیتہ دیار بل نافخ نار واللہ تعالیٰ یقول انا اعطیناک الکوثر فقال عز من قائل ان شانئک ہو الابتر یعنی حضرت امام حسینؑ کے بیٹوں میں امام زین العابدینؑ بھی ہیں انھیں سے حضرت امام حسینؑ کی نسل بڑھی کیونکہ آپکی کئی اولاد ہوئیں مگر روز عاشورا سوا حضرت زین العابدین کے کوئی لڑکا زندہ نہیں بچا۔ تو خدائے تعالےٰ نے آپ ہی کے صلب سے رسولؐ کی اولاد کو کثرت سے پیدا کیا جنکی تعداد کو وہی جان سکتا ہے اور اس نسل میں خدا نے اتنی برکت دی کہ ان کو پورب سے پچھم تک پھیلا دیا یہاں تک کہ کوئی ملک کوئی بستی ایسی نہیں جو (سادات اور آل رسولؐ) سے خالی نہیں ہے۔ اس کے خلاف یزید کا نام ہو کر اسکی یا اسکی اولاد یا اسکے خاندان والوں کی نسل سے ایک شخص بھی نہیں بچا۔ بلکہ کوئی چراغ جلانے والا یا آگ روشن کرنے والا بھی نہیں رہا۔ کیا سچا مضمون خدا نے حضرت رسولخدا صلعم سے فرمایا تھا کہ اے رسولؐ ہم نے تم کو بہت بڑی نسل دی ہے اور تمہارا دشمن ہی بے نام ونشان رہیگا (پارہ ۳۰ سورۂ کوثر) (اسمار رجال مشکوۃ قلمی نسخہ صفحہ ۳) اور جناب خواجہ محمد پارسا بخاری اور شیخ الاسلام سلیمان بن ابراہیم بلخی قندوزی وغیرہ نے لکھا ہے قالوا انظروا الی برکۃ العدل حیث جعل اللہ تبارکؐ وتعالی الائمۃ المھدیین من بنت یزدجرد المنتسب الی کسریٰ انوشیروان الملکؐ العادل دون سائر زوجاتہ یعنی اے لوگو! ذرہ عدل وانصاف کی برکت کا تماشہ دیکھو کہ خدا نے حضرات ائمہ مہدیین علیہم السلام کو امام حسینؑ کی صرف ان بیوی شہر بانو سے پیدا کیا جو مشہور نوشیروان عادل کی نسل سے تھیں اور آپکی دوسری بیویوں کی اولاد کو یہ شرف نہیں دیا (فصل الخطاب قلمی ورقہ

۲۶۱ ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی ... اور جناب ملا امین صاحب فرماتے ہیں: والعقب منهم من علی بن الحسین زین العابدین ومن فاطمہ بنت الحسین فقط وهی ام عبد الله والحسن وابراهیم بن حسن المثنی بن حسن السبط رضی الله عنهم فقد اخرج الله من صلب زین العابدین کثیرا وبسطهم شرقا وغربا حتی لیس یخلو بلد ... من اولاد منهم۔ ولم یبق من یزید واولاده ساکن دار بل نافخ نار۔ انه لم یبق من الحسین صلوۃ الله علی نبینا وعلیه الا ابن واحد وهو علی ابن الحسین وترک یزید خمسة وعشر بنین والله تعالی اصدق القائلین حیث یقول انا اعطینک الکوثر وقال عز من قائل ان شانئک هو الابتر۔

یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کی نسل بیٹوں میں صرف امام زین العابدینؑ سے اور بیٹیوں میں صرف جناب فاطمہؑ سے ہوئی جو جناب حسن مثنیٰ کے فرزندوں یعنی عبداللہ وحسن مثلث وابراہیم غمر کی ماں تھیں خدا نے انھیں حضرت امام زین العابدینؑ کے صلب سے کس کثرت سے اولاد پیدا کی اور آپ کی نسل (سادات وآل رسول) کو پچھم اور پورب ہر طرف پھیلا دیا یہاں تک کہ دنیا کا کوئی حصہ بلکہ کوئی شہر حضرت کی اولاد سے خالی نہیں ملیگا۔ اس کے خلاف یزید اور اسکی اولاد کی نسل سے ایسا بھی کوئی نہیں بچا جو ایک ہی گھر آباد کئے رہتا۔ بلکہ اسکی نسل سے تو کوئی شخص ایسا بھی نہیں رہا جو کسی جگہ بھاڑ ہی جھونکتا۔ باوجودیکہ جب حضرت امام حسینؑ شہید ہوئے ہیں تو آپ کے صرف ایک بیٹے امام زین العابدینؑ بچے تھے (انھیں کی نسل اس قدر بڑھی) اور جب یزید مرا ہے تو اسکے ۱۵ بیٹے موجود تھے (جن سب کی نسل کس قدر ہوتی)۔ واقعاً خدا کا قول سب سے زیادہ سچا ہے جس نے حضرت رسول خدا صلعم کو خوشخبری دے دی تھی کہ اے رسول ہم نے تم کو بہت بڑی نسل دی ہے اور تمہارا دشمن ہی بے نام ونشان اور بے آل واولاد رہیگا (کتاب وسیلۃ النجاۃ

(صفحہ ۳۱۲)

یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے تین اولاد چھوڑیں (۱) ایک فرزند حضرت امام زین العابدین جو ۹۵ھ تک زندہ رہے آپکی اولاد کثرت سے ہوئی اور آپ کے ذریعہ سے خدا نے بھی قدرت کا تماشا دکھایا کہ پیشین گوئی حضرت رسول خدا صلعم سے آپ کو کثرت نسل عطا کرنے کی فرمائی تھی اسکو پوری کیا (۲) بڑی صاحبزادی جناب فاطمہ جو ۱۱۷ھ تک زندہ رہیں اور انکے شوہر بھی موجود تھے۔ انکی اولاد بھی کثرت سے ہوئی (۳) چھوٹی صاحبزادی جناب سکینہ جو ۱۱۷ھ تک زندہ رہیں اور جن کے بارے میں ابو الفرج اصفہانی اور شرر صاحب نے لکھا ہے کہ چار یا پانچ شادیاں ہوئیں اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ولود تھیں یعنی ایسی عورت تھیں جن سے اولاد ہو سکتی تھی مگر انکی کوئی اولاد نہیں ہوئی نہ انکی نسل ہوئی۔ تو کوئی عقل بھی اسکو قبول کر سکتی ہے کہ اگر جناب سکینہؑ کا واقعاً کوئی شوہر ہوتا۔ اور ان دونوں میں میاں بیوی کے تعلقات قائم ہوتے تو کوئی اولاد نہیں ہوتی۔ یہ صحیح ہے کہ اولاد ہونے کے لئے زندہ رہنا ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اولاد ہوئی ہو مگر اور ایک روایت کے مطابق ۳۔ دوسری کے مطابق ۴۔ تیسری کے مطابق ۵۔ اور چوتھی کے مطابق چھ شادیاں کریں اور ہر شوہر بہت مالدار اور نہایت ذی اقتدار بھی ہو اُن کے بطن کی کل اولاد کا مر جانا اور کسی ایک کا بھی زندہ نہ بچنا عادت کے خلاف ہے۔ ان تمام باتوں سے یہی ماننا پڑیگا کہ جناب سکینہؑ کا نکاح صرف جناب عبداللہ بن امام حسنؑ سے ہوا تھا اور وہ زفاف کے پہلے ہی شہید ہو گئے اس وجہ سے اُن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اسکے بعد جناب سکینہؑ سے کسی شخص نے شادی کی خواہش ہی نہیں کی کیونکہ وہ بچپن سے دن رات عبادت خدا میں بسر کرتیں اور دعا و وظائف میں مشغول رہتیں۔ لہذا جناب عبداللہ کے بعد نہ آپکا کسی سے نکاح ہوا نہ آپ سے

کوئی اولاد ہوئی۔ ورنہ آپ کی اولاد کا ذکر بھی تاریخوں میں اسی طرح رہتا جس طرح
آپکی بڑی بہن جناب فاطمہؑ کی اولاد کا ذکر ہزاروں کتابوں میں موجود ہے

جناب سکینہ کی ذہنی حیثیت

حد کی روا نہیں ہے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت سکینہؑ کے بارے میں جو اخبار
اور بعض صاحبان نے دعویٰ کیا ہے کہ جناب سکینہ ایسی طبع رسا اور ذہن خداداد
رکھتی تھیں کہ ہر صحبت اور ہر سوسائٹی میں آپکی بذلہ سنجی اور مذاق سخن کا چرچا تھا
آپ کو نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم دلائی گئی تھی اور وہ بھی دینیات کے ساتھ اللہ
نہ تھی بلکہ لٹریچر اور ادب اور اخلاقی ضرورتوں کے لحاظ سے بہت آزادانہ تعلیم تھی
اس لئے کہ جس عہد میں آپکا نام عرب کی با مذاق سوسائٹیوں میں چمکا ہے اس
وقت آپ خاندان نبوت کی ایک واجب التعظیم اور شائستہ خاتون ہی نہیں اور آزاد
ہیں بلکہ بذلہ سنج۔ لطیفہ گو۔ اور فیشن کی موجد اور لیڈر ہونے کے علاوہ بہت بڑی
اور اس پایہ کی شاعرہ ثابت ہوتی ہیں کہ وہ مشہور شعرائے عرب جن کا مثل آج تک
عربی نظم کو نہیں نصیب ہوا۔ اپنے باہمی نزاعوں کا فیصلہ کرانے کے لئے آپکی خدمت
میں حاضر ہوتے تھے۔ اور اپنے کلام کو آپ کے سامنے پیش کرتے تھے.... جناب
سکینہ اگرچہ بہت بڑی بذلہ سنج تھیں اور اپنے مذاق صحبت میں ہمیشہ ہر دل عزیز
بننے کی کوشش فرماتی تھیں اور ہر شخص کے ساتھ نہایت ہی اخلاق سے پیش آتی
تھیں۔ شرفائے عرب کی عورتوں کی سوسائٹی میں آپ جب تک نہ ہوتیں مزہ نہ آتا
تھا۔ آپ کے بہت سے لطیفے کتب تواریخ میں بیان کئے گئے ہیں جنمیں سے
اکثر ایسے ہیں جن کو زیادہ تر تعلق عربی زبان سے ہے۔ معززین قریش آپکی صحبت
کو اپنا فخر سمجھتے تھے اور مشہور شعرائے عرب آپکی محفل میں جمع ہوتے تھے۔ خود
بھی ایسی طبع رسا رکھتی تھیں کہ اپنے عہد کی سب سے بڑی شاعرہ تسلیم کیگئی ہیں۔ اسی
ذہن رسا اور طبیعت داری کی بدولت آپ مشہور و نامی شعراء کا مرجع بن گئی

تھیں اور سب نے تسلیم کر لیا تھا کہ سخن فہمی آپ کا حصہ ہے" جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ جناب سکینہؑ دنیوی اور دینی دونوں علوم سے بہرہ ور تھیں اور انکو خاندان رسالت
سے ہونے کا فخر بھی تھا اور خاندانی شرافت و فضل سے بھی کافی حصہ پایا تھا اسی وجہ
اُن سے حدیثیں بھی پوچھنی چاہیے تھیں اور روایت کی باتیں اور وہ بھی کچھ حدیثیں اپنے
بزرگوں سے ضرور روایت کرتیں ہونگی کیونکہ اس زمانہ میں پڑھے لکھے اور دینی
شرف و فخر رکھنے والے مسلمانوں کا (خواہ مرد ہوں یا عورت) سب سے بڑا امتیاز
یہی تھا کہ وہ دوسروں سے کچھ حدیثیں روایت کریں۔ اور اکثر یہ بات ہوتی کہ جو
شخص بھی دوسرے سے برابر ملتا رہتا تھا وہ کوئی حدیث اس سے ضرور دریافت
کرتا یا یہ اُس سے روایت کرتا۔ اور اسی وجہ سے حدیثیں اس کثرت سے پھیلیں
اور اتنے دنوں تک لوگوں کو یاد ہوتی رہیں۔

پس وہ حضرت سکینہ جو خاندان رسولؐ کی معزز اور ممتاز فرد تھیں وہ حضرت سکینہ
جو ۴۲ھ ہجری سے ۱۱۷ھ ہجری تک زندہ رہیں۔ اگر لوگوں سے ملتی رہتیں، اگر ان کے
کئی عقد ہوئے۔ اگر آپ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے مدینہ حج کے ارادے سے
چند مرتبہ آئیں گئیں۔ اگر شرفائے عرب آپکی مجلس میں حاضر ہوا کرتے۔ اگر
پڑھے لکھے مسلمان آپ کے دربار میں پہونچا کرتے۔ اگر لٹریری مذاق رکھنے والے
علمی اختلافات کا فیصلہ کرانے کے لئے آپکی طرف رجوع کیا کرتے۔ اگر جناب سکینہ
کے طبع رسا اور جودت ذہن کی شہرت ہوتی۔ اگر آپکی دماغی فوقیت عام طور پر
لوگوں کو معلوم ہوتی تو یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ کسی ایک شخص سے بھی حدیث نہ
سنتیں۔ یا کوئی شخص آپ سے کوئی حدیث نہ سنتا۔ مگر تمام کتب حدیث و
سیر و تاریخ کو دیکھ جائیے جناب سکینہؑ کا نام کسی حدیث کی روایت میں نہیں ملیگا۔
کل کتب رجال کی ورق گردانی کر جائیے کہیں بھی نہ آپ کا نام ہے نہ آپ کا
حال لکھا ہے نہ کوئی کا نام بیان کیا ہے۔ اس بات کی اہمیت اس وجہ سے

اور بڑھ جاتی ہے کہ آپ کی بڑی بہن جناب فاطمہ بنت الحسین جنکی طبع ایسی رسا نہ تھی جیسی جناب سکینہؑ کی تنکو وہ جودت ذہن حاصل نہ تھی جو جناب سکینہ کو تھی۔ جن کی دماغی فوقیت کا کسی نے دعویٰ نہیں کیا۔ جو نہ شعرائے عرب کا مرجع تھیں۔ نہ انکی محفل میں شرفائے عرب کا مجمع رہتا ان تک سے حدیثوں کی روایتیں موجود ہیں اور کتب رجال میں ان کا نام برابر ملتا ہے۔ چنانچہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ فاطمة بنت الحسين بن علي بن ابي طالب الهاشمية المدينة زوج الحسن بن الحسن بن علي ثقة من الرابعة ماتت بعد المائة وقد اسنت یعنی جناب فاطمہؑ جو حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں ہاشمی خاندان سے اور مدینہ کی رہنے والی اور حضرت امام حسنؑ کے صاحبزادے جناب حسن مثنیٰ کی بیوی تھیں۔ قابل اعتماد راویوں میں سمجھی جاتی اور چوتھے طبقہ والے محدثین میں ہیں۔ سنہ ۱۰۰ ہجری کے بعد ان کا انتقال ہوا اور بہت عمر پائی (تقریب التہذیب مطبوعہ دہلی ص ۴۷۲) مگر اس پوری کتاب کے اوراق کو الٹ جائیے۔ جناب سکینہ کا نام کہیں بھی نہیں ملیگا۔ اگر جناب سکینہؑ سے ایک حدیث کی روایت بھی ہوتی تو اتنی بڑی کتاب جسمیں ہزاروں مردوں اور عورتوں کے نام راویان حدیث کے سلسلہ میں لکھے ہوئے ہیں جناب سکینہ کا نام کیوں نہ ہوتا حالانکہ بہت معمولی اور حقیر عورتوں کے حالات تک اس کتاب میں موجود ہیں جو جناب سکینہؑ سے دینی خصوصیات میں ہزاروں درجہ کم تھیں۔ پس اگر جناب سکینہؑ کی زندگی بالکل گوشہ نشینی کی نہ ہوتی اور ان کے زمانہ کے لوگ ان کو اس طرح جانتے ہوتے جس طرح ابوالفرج و شرر صاحب وغیرہ نے پیش کیا ہے تو اُن کا نام بھی راویان حدیث میں کیوں نہیں آتا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی دوسری کتابوں میں بھی جناب سکینہؑ کی بڑی بہن جناب فاطمہ کے حالات درج کیے ہیں۔ چنانچہ ایک میں لکھتے ہیں فاطمہ بنت الحسین

بن علی بن ابی طالب الهاشمية المدنية روت عن ابيها واخيها زين العابدين وعمتها زينب بنت علی وجدتها فاطمة الزهراء مرسل وبلال المؤذن مرسل وابن عباس واسماء بنت عميس. روى عنها اولادها عبد الله وابراهيم وحسين وام جعفر بنو الحسن بن الحسن بن علی ومحمد بن عبد الله بن عمرو بن عثمان وروى المقدام بن زياد عن ابيه وقيل عن امه عنها وروى زهير بن معويه عن شيخ يقال هو مصعب بن محمد عنها وغيرهم قال ابن سعد امها ام اسحاق بنت طلحة تزوجها ابن عمها الحسن بن الحسن بن علی ثم تزوجها بعده عبد الله بن عمرو بن عثمان ذكرها ابن حبان فی الثقات قلت وقال ماتت وقد قاربت التسعين. ووقع ذكرها فی صحيح البخاری فی الجنائز قال لما مات الحسن بن الحسن ضربت امرأته القبة يعنی حديث کی روایت کرنے والیوں میں جناب امام حسینؑ کی صاحبزادی جناب فاطمہؑ بھی ہیں جنھوں نے حدیثیں اپنے پدر بزرگوار اور اپنے بھائی امام زین العابدینؑ اور اپنی پھوپھی جناب زینبؑ اور اپنی دادی حضرت فاطمہ زہراؑ سے (ارسال کرکے) اور بلال موذن رسول خدا صلعم سے (ارسال کرکے) اور جناب ابن عباس اور اسماء بنت عمیس سے روایت کی ہیں۔ اور خود ان فاطمہؑ سے دوسرے لوگوں نے بھی حدیثیں لیکر روایت کی ہیں۔ جیسے آپکی اولاد عبد اللہ۔ ابراہیم حسین اور ام جعفر۔ اور مقدام بن زیاد نے اپنے باپ سے اور بعض لوگوں کے قول کے مطابق اپنی ماں سے روایت کی ہے اور اس کے باپ یا ماں نے انھیں جناب فاطمہ سے روایت کی ہے اور زہیر بن معویہ نے ایک شخص سے جسکو لوگ مصعب بن محمد بیان کرتے ہیں روایت کی ہے اور وہ شیخ جناب فاطمہؑ سے روایت کرتا تھا۔ اور ان لوگوں کے علاوہ بھی بہت لوگ ان فاطمہ سے روایت کرتے تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ امام حسینؑ کی ان صاحبزادی جناب فاطمہ کی ماں ام اسحاق

بنت طلحہ تمیمی بن سے ان کے بیٹا اور جناب حسن مثنیٰ ابن حضرت امام حسنؑ کی شادی ہوئی تھی۔ اور جناب حسن مثنیٰ کے انتقال کے بعد جناب فاطمہؑ کی دوسری شادی عبداللہ بن عثمان سے ہوئی تھی۔ ابن حبان نے جناب فاطمہؑ کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ جناب فاطمہؑ نے قریب ۹۰ کے ہو کر انتقال کیا ؎ آپ کا ذکر صحیح بخاری کی کتاب الجنائز میں بھی موجود ہے۔

؎ ابن حجر صاحب کی عبارت جو چھپی ہوئی کتاب تہذیب میں ہے قاربت التسعین ہے جس کا معنے یہ ہے کہ وہ نوے برس کی عمر تک پہنچ گئی تھیں مگر یہ کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا اس لئے کہ جناب فاطمہؑ کی مادر گرامی جناب ام اسحاق پہلے حضرت امام حسنؑ کی بیوی تھیں۔ جب ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں حضرت نے انتقال کیا تو اپنے چھوٹے بھائی حضرت امام حسینؑ سے وصیت کی کہ تم ام اسحاق سے میرے بعد نکاح کر لینا۔ حضرت نے ایسا ہی کیا تو یقیناً جناب فاطمہؑ کی ولادت ۵۰ھ یا ۵۱ھ کے بعد ہوئی ہوگی اور آپکی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی (مراۃ الجنان جلد ۱ صفحہ ۲۳۴) اس حساب سے آپکی عمر ۶۰ یا ۶۱ سال کی ثابت ہوتی ہے جسکو ابن حجر صاحب ۹۰ سال کی بتاتے ہیں۔ اور بعض کتابوں میں ہے کہ جناب فاطمہ بنت الحسینؑ کا انتقال ۱۱۷ ہجری میں ہوا ہے (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۳۴۴ وغیرہ) اس حساب سے بھی جناب فاطمہؑ کی عمر ۹۰ سال نہیں بلکہ صرف ۶۷ سال کی ثابت ہوتی ہے۔ غرض اس معمولی بات سے بھی اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ حضرات اہلسنت کے علمائے مورخین و محدثین خاندان حضرت رسالتمآب صلعم کی افراد سے کس درجہ بے خبر رہتے تھے کہ ۶۰ یا ۶۷ سال کی عمر والوں کو ۹۰ سال کی بتاتے ہیں حالانکہ جناب فاطمہؑ نے متعدد اولاد بھی چھوڑی تھیں اور اُن کے حالات اس قدر گمنامی میں نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اُن سے لوگوں نے حدیثیں بھی لی تھیں اور انھوں نے بھی دوسروں سے حدیثیں سنی تھیں۔ ۱۲

صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۶۷) ۔ جسمیں لکھا ہے کہ جناب حسن مثنیٰ نے انتقال کیا تو انکی بیوی (یعنی فاطمہ بنت حسینؑ) نے ان کی قبر پر قبہ نصب کیا تھا ۔ (تہذیب التہذیب مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ۱۲ ص ۴۴۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جناب فاطمہ حدیثوں کی روایت کسی ایک ہی بزرگ نہیں بلکہ متعدد حضرات یعنی جناب امام حسینؑ ۔ جناب امام زین العابدینؑ جناب زینبؑ ۔ جناب سیدہؑ ۔ جناب بلالؓ ۔ جناب ابن عباس اور جناب اسما بنت عمیس سے کرتی تھیں ۔ اور جناب فاطمہ سے بھی ایک نہیں بلکہ متعدد محدثین حدیثوں کی روایت کرتے تھے ۔ جیسے اُن کے تینوں بیٹے اور ایک بیٹی اور زیاد اور زہیر وغیرہ ۔

ان کے مقابلہ میں جناب سکینہ جنہوں نے یقیناً ۶۰ یا ۷۰ سال کی عمر میں انتقال کیا اور جو (صاحب اغانی اور شرر صاحب کے قول کے مطابق) بہت زیادہ مشہور تھیں بہت بڑی لیڈر سمجھی جاتی تھیں ۔ جن کا علمی مذاق کہیں بڑھا ہوا تھا ۔ جنکی طبع رسا اور جودت ذہن جناب فاطمہ سے بدرجہا بہتر تھی جو اہل علم و کمال کی مرجع تھیں ۔ اور جو کل علمی اور ادبی خوبیوں میں بھی جناب فاطمہ سے افضل و اعلیٰ بیان کی گئی ہیں اُن سے ایک چھوٹی اور معمولی مرتبہ کی حدیث بھی دنیا کے کسی شخص نے نہیں روایت کی اور نہ انھوں نے کسی سے کوئی حدیث روایت کی تو اس کی وجہ اس کے سوا بھی کچھ ہو سکتی ہے کہ جناب سکینہ تمام عمر اس درجہ عبادت خدا اور صوم و صلوۃ ۔ دعا و وظائف اور گوشہ نشینی و گمنامی میں بسر کرتی رہیں کہ سنہ ۶۱ ہجری کے بعد نہ کسی سے شادی کی نہ کسی سے ملیں نہ لوگ اُن سے ملے اور نہ گھر سے باہر نکلیں بلکہ اُنکی ہر شخص سے علٰحدگی کی یہ نوبت پہونچی تھی کہ عورتوں سے بھی نہیں ملتی تھیں اور نہ عورتیں اُن سے ملتی تھیں بلکہ تمام عمر استغراق فی اللہ میں صرف کردی ۔ جیسا کہ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا تھا کہ اما سکینۃ فغالب علیھا الاستغراق مع اللہ تعالی فلا تصلح

لوجل میری بیٹی سکینہ پر استغراق فی اللہ غالب ہے۔ وہ کسی مرد کے لائق نہیں ہے۔

درایت کا درجہ روایت سے بڑھا ہوا ہے

اگر شبہ ہو کہ یہ سب تو عقلی باتیں ہیں۔ ان کا ذکر تو ابو الفرج اصفہانی۔ ابن خلکان اور ابن قتیبہ دینوری ایسے جلیل القدر مورخین کی روایتوں اور تاریخی بیانات سے کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے۔ تو غور کرنا چاہیئے کہ خدا نے عقل ایسی نعمت ہمیں کیوں دی ہے؟ اسی لئے تو کہ اس سے انسان اچھی۔ بری۔ صحیح۔ غلط۔ اور حق و باطل میں تمیز کر لیا کرے۔ تاریخی تحقیقات اور مورخین کے بیانات بھی عقل کے تابع ہیں اور اسی سے ان امور کے مطابق یا مخالف واقعہ ہونے کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ مشہور کلیہ ہے درایة خیر من الف روایة یعنی ایک درایت (عقل کے مطابق بات) ہزار روایت سے بہتر ہوتی ہے۔ حضرات اہل سنت کے عالم جلیل شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "یہ بحث تو اس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے۔ اور جس قدر ہوتے ہیں اُنمیں اسباب و علل کا سلسلہ نہیں ملتا لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود انکی صحت پر کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے۔ واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں روایت و درایت۔ روایت سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کے ذریعہ سے بیان کیا جائے جو خود اس واقعہ میں موجود تھا۔ اور اس سے لیکر اخیر راویوں تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے۔ اسکے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایۃ اور ضابط تھے یا نہیں۔

درایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔

اس امر پر مسلمان بے شبہہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ انھوں نے جس قدر اعتنا کیا کسی قوم نے کبھی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے ہر قسم کی روایتوں میں پہلے سلسل سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات اس تفحص اور تلاش سے بہم پہنچائے

کہ اسماء ایک مستقل فن بنا دیا جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں حدیث نبوی کے لئے شروع ہوا تھا لیکن فن تاریخ بھی اس فیض سے محروم نہ رہا۔ طبری۔ فتوح البلدان۔ طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات بسند متصل مذکور ہیں۔ یورپ نے فن تاریخ کو آج کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے لیکن اس خاص امر میں وہ مسلمان مورخوں سے بہت پیچھے ہیں۔ انکو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی کچھ پروا نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ جرح و تعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے۔ چنانچہ ابن حزم۔ ابن القیم۔ خطابی۔ ابن عبدالبر نے متعدد روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہیئے تھی نہیں ہوئی۔ اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا۔ البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرا ہے جب فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کئے۔ چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔ ان الاخبار اذا اعتمد فیها علی مجرد النقل ولم تحکم اصول العادة وقواعد السیاسة و طبیعة العمران والاحوال فی الاجتماع الانسانی ولا قیس الغائب منها بالشاهد والحاضر بالذاهب فربما لم یؤمن فیها من العثور یعنی خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے اقتضاء کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گزشتہ پر نہ قیاس کیا جائے تو اکثر لغزش ہوگی۔

علامہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لئے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیئے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راویوں کا عادل ہونا بیکار ہے علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد

نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کے رو سے ممکن ہونا مراد ہے ...
واقعات کی تحقیق وتنقید کے لئے درایت کے اصول سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ درایت کا فن اب ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اور اسکے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے منضبط ہو گئے ہیں۔ انہیں سے جو اصول ہمارے کام میں آسکتے ہیں حسب ذیل ہیں۔ (۱) واقعہ مذکورہ اصول عادت کے رو سے ممکن ہے یا نہیں (۲) اس زمانہ میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق (۳) واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں (۴) اس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اسمیں اسکے قیاس اور رائے کا کس قدر حصہ شامل ہے (۵) راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اسکے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آسکیں (۶) اس بات کا اندازہ کہ زمانہ کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقہ ادائے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیئے ہیں۔
ان اصولوں کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا اور ان کے ذریعہ سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں"۔ (الفاروق جلد ۱ صفحہ ۱۳ تا ۱۷)

موصوف دوسری کتاب میں لکھتے ہیں" اس قسم کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آتا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلم بند کئے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلم بند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام ونشان تک نہیں معلوم ہوتا۔ ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لئے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بنجاتے ہیں۔ یورپ کی اکثر تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے اس فن تاریخ کا جو معیار قائم کیا وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا۔ اس کا پہلا اصول

یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اسی شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا۔ اور اگر خود نہ تھا تو شریک تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے اسکے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بیں۔ عالم تھے یا جاہل ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ لیکن سیکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کردیں۔ ایک ایک شہر میں گئے۔ راویوں سے ملے۔ ان کے متعلق ہر قسم کے معلومات بہم پہنچائے۔ جو لوگ اُن کے زمانہ میں موجود نہ تھے اُن کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کیے۔ ان تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن تیار ہو گیا جسکی بدولت آج کم از کم لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ ...

تحقیق واقعات کا دوسرا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے عقلی شہادت کے مطابق بھی ہے یا نہیں؟

درایت کی ابتداء یہ اصول بھی درحقیقت قرآن مجید ہی نے قائم کردیا تھا حضرت عائشہ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اس طرح اس خبر کو مشہور کیا کہ بعض صحابہ تک غلطہ میں آ گئے۔ چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت حسان بھی قاذفین میں شریک تھے اور اسی بنا پر ان پر حد قذف جاری کیگئی قرآن مجید میں بھی اسکی تصریح ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ یعنی جن لوگوں نے تہمت لگائی وہ تمہارے گروہ میں سے ہیں۔ تفسیر جلالین میں منکم کی تفسیر حسب ذیل کی ہے جماعۃ من المومنین یعنی یہ تہمت لگانے والے مسلمانوں کا ایک گروہ ہے۔ قرآن مجید کی آیتیں حضرت عائشہ کی برات اور طہارت کے متعلق جو نازل ہوئیں۔ اُنمیں سے آیتہ ہے ولولا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانک ھذا بہتان عظیم

یعنی اور جب تم نے سنا تو یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہم ایسی بات بولنا مناسب نہیں سبحان اللہ یہ بڑا بہتان ہے۔ عام دستور کی بنا پر اس خبر کی تحقیق کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے راویوں کے نام دریافت کیے جاتے پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ اور صحیح الروایۃ ہیں یا نہیں۔ پھر ان کی شہادت لی جاتی لیکن خدا نے اس آیۃ میں فرمایا کہ سننے کے ساتھ تم نے کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ بہتان ہے۔ جس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا خلاف قیاس جو واقعہ بیان کیا جائے قطعاً سمجھ لینا چاہیے کہ غلط ہے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۳۱) مولوی شبلی صاحب آگے یہ بھی لکھتے ہیں "جب حدیثوں کی تدوین شروع ہوئی تو محدثین نے درایت کے اصول بھی منضبط کیے جن میں سے بعض یہ ہیں۔ ابن جوزی نے کہا ہے (فتح المغیث مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۱۴) کہ جس حدیث کو دیکھو کہ عقل یا اصول مسلمہ کے خلاف ہے تو جان لو کہ وہ موضوع ہے۔ اسکی نسبت اس بحث کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا غیر معتبر۔ اسی طرح وہ حدیث قابل اعتبار نہیں جو محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو اور تاویل کی گنجائش نہ رکھتی ہو.... یا وہ حدیث جس میں لغویت پائی جائے۔ بعض محدثین نے لغویت کو راوی کے کذب کی دلیل قرار دیا ہے۔ یہ تمام قرینے خود روایت سے متعلق ہیں اور کبھی یہ قرائن راوی کے متعلق ہوتے ہیں.... یا جب کہ راوی کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو اور کسی نے نہ بیان کی ہو۔ اور خود راوی جس سے روایت کرتا ہے اس سے ملاقات نہ ہو یا وہ حدیث جسکو ایک ہی راوی بیان کرتا ہے۔ حالانکہ بات ایسی ہے کہ اس سے اوروں کو بھی مطلع ہونا ضرور تھا.... اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ حسب ذیل صورتوں میں روایت اعتبار کے قابل نہ ہوگی اور اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں (۱) جو روایت عقل کے مخالف ہو۔ (۲) جو روایت اصول مسلمہ کے مخالف ہو (۳) محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو (۴) قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اسمیں

تاویل کی بھی گنجائش نہ ہو (۵) جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو (۶) معمولی کام پر بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو۔ (۷) جو روایت رکیک معنی ہو مثلاً کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ۔ (۸) جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہیں کی اور یہ راوی اس شخص سے نہ ملا ہو (۹) جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگوں کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو بایں ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اسکی روایت نہ کی ہو (۱۰) جس روایت میں ایسا قابل تمنا واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سیکڑوں آدمی اس کو روایت کرتے باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اسکی روایت کی ہو۔" (سیرۃ النبیؐ مطبوعہ اعظم گڑھ جلد ا ص ۴۳)

انھیں اصول کے مطابق جناب سکینہؑ کے ان حالات کو بھی جانچئے جو ابو الفرج اصفہانی اور شرر صاحب وغیرہ نے لکھے ہیں کہ وہ صحیح ہو سکتے ہیں یا علامہ طبرسی علیہ الرحمہ کی روایت اور خود حضرت امام حسین علیہ السلام کا فیصلہ کہ سکینہ لاتصلح لرجل سکینہؑ کسی مرد کے لائق نہیں ہیں۔

غلط واقعات کی چند مثالیں

مثال کے طور پر چند دوسرے واقعات بھی ملاحظہ ہوں جو کس قدر معتبر کتب حدیث و تاریخ میں موجود ہیں مگر یقیناً غلط اور خلاف عقل ہیں ان سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ جب ایسی خلاف عقل باتیں بھی ان کتابوں میں موجود ہیں تو جناب سکینہؑ کے متعلق ان اتہامات و افتراءات پر تعجب نہیں کرنا چاہئے۔

(۱) حضرت رسولخداؐ کی زندگی میں غزوہ بنی مصطلق سے واپسی کے وقت حضرت رسولخداؐ کی زوجہ جناب عائشہ قافلہ سے پیچھے رہ گئیں۔ صفوان بن معطل جو کسی ضرورت سے قافلہ کے پیچھے رہ گیا تھا اور جوان آدمی تھا وہاں پہونچا تو حضرت عائشہ کو اپنے ساتھ لایا۔ صحابہ نے مشہور کر دیا کہ حضرت عائشہ سے اور اس سے ناجائز تعلق ہے۔ اور اسی سبب سے دونوں قافلہ کے پیچھے رہگئے تھے

اس بات کو کتنے بڑے بڑے لوگوں نے یقین کر لیا خود حضرت ابوبکر کی خالہ زاد بہن کا بیٹا مسطح بن اثاثہ۔ حسان بن ثابت۔ زید بن رفعہ۔ حمنہ بنت جحش بہت نے تو اسکو بیان کیا۔ تمام شہر میں اسکی شہرت ہوگئی۔ آنحضرت صلعم کو اس کا بہت خیال اور سخت ملال ہوا۔ اس قدر رنجیدہ ہوئے کہ ایک مہینہ تک حضرت نے جناب عائشہ کو چھوڑ رکھا۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ وغیرہ) یہ واقعہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہے اور تمام کتب تفسیر و سیرۃ و تاریخ میں لکھا ہوا ہے جب حضرت عائشہ جو حضرت رسولخدا کی محبوبہ بیان کیجاتی ہیں مخالفین کے اتہام و افترا سے نہیں بچیں تو جناب سکینہؑ جو حضرت امام حسینؑ کی صاحبزادی تھیں اپنے دشمنوں سے کیا کچھ نہ سنتیں۔

(۲) امام بخاری کی صحیح بخاری قرآن مجید کے بعد دنیا کی کل کتابوں سے زیادہ صحیح اور معتبر مانی جاتی ہے اُسمیں ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے کانت بنو اسرائیل یغتسلون عراۃ ینظر بعضہم الی بعض وکان موسیٰ یغتسل وحدہ فقالوا واللہ ما یمنع موسیٰ ان یغتسل معنا الا انہ آدر فذہب مرۃ یغتسل فوضع ثوبہ علی حجر ففر الحجر بثوبہ فجمح موسیٰ فی اثرہ یقول ثوبی یا حجر۔ ثوبی یا حجر حتی نظرت بنو اسرائیل الی موسیٰ وقالوا واللہ ما بموسیٰ من باس واخذ ثوبہ فطفق بالحجر ضربا فقال ابوہریرۃ واللہ انہ لندب بالحجر ستۃ او سبعۃ ضربا بالحجر یعنی بنو اسرائیل ننگے نہایا کرتے تھے کہ ایک شخص دوسرے کے بدن کو دیکھا کرتا مگر حضرت موسیٰ ان لوگوں سے علحدہ تنہا غسل فرمایا کرتے۔ اس پر بنو اسرائیل نے کہا کہ موسیٰ ہم لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں نہاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انکے خصیے بڑھ گئے ہیں۔ ایک مرتبہ جناب موسیٰ غسل کرنے تشریف لے گئے اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھکر نہانے لگے تو وہ پتھر آپ کے کل کپڑے لیکر بھاگا۔ یہ دیکھکر حضرت موسیٰ اسکے پیچھے دوڑے اور کہتے تھے اے پتھر میرے کپڑے چھوڑ دے او پتھر میرے کپڑے دیدے۔ اس وقت چونکہ حضرت موسیٰ ننگے باہر نکل آئے تھے بنو اسرائیل نے آپ کو دیکھ لیا اور کہنے لگے خدا کی قسم موسیٰ میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ پھر حضرت موسیٰؑ نے اس پتھر سے اپنے کپڑے چھین لئے اور لگے

اس پتھر کو ۔ نے خدا کی قسم اس پتھر میں چھ یا سات نشان پڑ گئے تھے جو ان ماروں کے
جو حضرت موسیٰ نے لگائی تھیں (صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۱۹۳) کیا عقل میں یہ بات آ سکتی ہے
کہ کوئی پتھر کسی شخص کے کپڑے لیکر بھاگ سکتا ہے؟ آج تک کسی زمانہ اور کسی ملک سے کسی پتھر
کی یہ نسبت سننے میں آئی ہے؟ اور پھر اس پتھر کو یہ مذاق سوجھا بھی تو کسی معمولی
آدمی کے ساتھ نہیں۔ بنو اسرائیل کے کسی اور شخص سے نہیں بلکہ خاص حضرت موسیٰؑ سے
جو پیغمبر اولوالعزم تھے۔ اور اس سے زیادہ تعجب خیز موسیٰؑ کا پکارنا تھا کہ "اے پتھر میرے
کپڑے چھوڑ دے"۔ "او پتھر میرے کپڑے کیوں لئے بھاگا جاتا ہے؟" کسی جانور سے
تو اس قسم کی بات کی نہیں جاتی ہے۔ پھر پتھر تو جمادات سے ہے کیونکر کوئی بات
کی جاتی۔ پھر تیسرا تعجب خیز بیان یہ ہے کہ پتھر نے کپڑے نہیں دیئے تو حضرت موسیٰؑ
اسکو مارنے لگے اور ۶ ۔ ۷ ضربیں لگائیں۔ وہ تو ٹھہرا پتھر۔ اور حضرت موسیٰؑ نے
مارا ہوگا تو ہاتھ ہی سے یا لکڑی سے تو ہاتھ یا لکڑی کی مار کا پتھر پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟
غرض کسی طرح بھی یہ واقعہ صحیح نہیں ہو سکتا ہے درصورتیکہ اس کو حضرت موسیٰؑ کے
معجزات سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ معجزہ وہاں دکھایا جاتا ہے جہاں کوئی منکر
کسی معجزہ کا طالب ہوتا ہے۔ بے وجہ اور بغیر سبب ایسے امور نہیں ہوا کرتے۔ یہاں
نہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کوئی معجزہ طلب کیا۔ نہ حضرت موسیٰؑ نے
کسی معجزہ کے دکھانے کا ارادہ کیا۔ نہ کسی معجزہ کا محل تھا۔ لہذا یہ واقعہ یقیناً غلط اور
صحیح بخاری کے مہملات سے ہے۔

(۳) اسی صحیح بخاری میں یہ بھی ہے ارسل ملک الموت الی موسیٰؑ فلما جاءہ
صکه ففقأ عینه فرجع الی ربه فقال ارسلتنی الی عبد لا یرید الموت فرد الله
علیه عینه وقال ارجع فقل له یضع یده علی متن ثور فله بکل ما غطت یده
بکل شعرة سنة۔ قال ای رب ثم ماذا قال ثم الموت۔ قال فالآن۔ فسأل
الله تعالی ان یدنیه من الارض المقدسة یعنی خدا نے ملک الموت کو حضرت
موسیٰ کی روح قبض کرنے کے لئے بھیجا۔ جب وہ حضرت کے پاس آئے تو آپ نے

اُن کے مُنہ پر اس زور کا طمانچہ مارا کہ بیچارے کی آنکھ ہی پھوڑ دی۔ ملک الموت خدا کے ہاں واپس گئے اور کہا کہ اے اللہ تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیج دیا جو ابھی مرنا نہیں چاہتا ہے۔ خدا نے ملک الموت کی آنکھ دیدی۔ اور اُن سے کہا کہ موسیٰ کے پاس پھر جاؤ اور کہو کہ وہ اپنا ہاتھ کسی بیل کی پیٹھ پر رکھیں اُنکے ہاتھ کے نیچے بیل کا جس قدر بال آئیگا اتنے ہی سال تک اُنکو زندہ رکھا جائیگا ملک الموت آئے اور حضرت موسیٰ تک یہ پیغام پہونچایا حضرت موسیٰ نے پوچھا اے خدا پھر کیا ہوگا؟ کہا پھر موت ہی ہوگی۔ حضرت موسیٰ نے کہا جب اُس وقت بھی مرنا ہی ہوگا تو اب ہی کیوں نہ مر جاؤں۔ اور خدا سے دعا کی کہ اُن کو ارض مقدس سے نزدیک کردے (صحیح بخاری جلد ا صـ۶۹۱) اس روایت کا بھی خلاف عقل اور مہملات سے بھرا ہونا واضح ہے۔

(۴) اسی صحیح بخاری میں ہے عن عمرو بن میمون قال رایت فی الجاهلیة قردة اجتمع علیها قردة قد زنت فرجموها فرجمتها معهم یعنی ایک صاحب عمرو بن میمون بیان کرتے تھے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا کہ ایک بندریا کے پاس چند بندر جمع ہیں۔ اس بندریا نے زنا کیا تھا تو وہ سب بندر اسکی سزا میں اس بندریا کو سنگسار کرتے تھے۔ ان بندروں کے ساتھ میں نے بھی اس بندریا کو سنگسار کیا (صحیح بخاری جلد۳ صـ۴۳۳) اس روایت کا خلاف عقل ہونا بھی واضح ہے۔ کوئی جانور زنا کر ہی نہیں سکتا اور نہ جانوروں میں شادی بیاہ نکاح رائج ہے جسکے خلاف کرنے سے زنا سمجھا جائے اور نہ بندروں میں ایسے فعل کی کوئی سزا ہے۔ غرض کل باتیں مہملات ہیں مگر اصح الکتب بعد کتاب الباری میں موجود ہیں۔

(۵) تاریخ طبری جو سب سے زیادہ معتبر اسلامی تاریخ سمجھی جاتی ہے اور جسکے بارے میں شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے کہ "یہ نہایت مستند اور صحیح تاریخ ہے ابن اثیر و ابن خلدون و ابو الفدا کا اصلی ماخذ یہی کتاب ہے"۔ (المامونؑ) "ابو جعفر

محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ ہجری یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انھوں نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیدن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔ (الفاروق ص۹) اسی تاریخ طبری میں یہ مضمون ہے الدنیا جمعۃ من جمع الاخرۃ سبعۃ الاف سنۃ فقد مضی ستۃ الاف سنۃ ومئو سنۃ ولیاتین علیہا مئون سنین یعنی دنیا آخرت کے کئی جمعوں سے ایک جمعہ کے برابر ہے جسکی پوری مدت صرف سات ہزار برس ہو گی اس سے چھ ہزار کئی سو برس تو گزر چکے۔ اور چند سال اور رہ گئے ہیں۔ (تاریخ طبری جلد ۱ ص۶ مطبوعہ مصر) اس حساب سے ہجرت کے چند سو سال کے بعد دنیا کو ختم ہو جانا چاہئے تھا مگر اس وقت تک ایک ہزار تین سو اکاون سال ہو چکے اور معلوم نہیں ابھی کتنے سال اور ہونگے۔ اسی تاریخ کی دوسری روایت ملاحظہ ہو۔ وکان الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیحا انہ اخبر عن الباقی من الدنیا فی حیاتہ انہ نصف یوم وذلک خمس مائۃ عام یعنی حضرت رسولخدا صلعم کی یہ حدیث صحیح ہے کہ حضرت نے دنیا کی باقی مدت کو بتایا کہ قیامت کے نصف دن کے برابر یعنی پانچ سو سال ہو گی (تاریخ طبری جلد ۱ ص۹) حضرت رسولخدا صلعم سے یہ حدیث بنادی گئی۔ حالانکہ اب تک پانچ سو سال کے عوض ۱۳۵۱ سال گزر گئے۔ اسی تاریخ طبری کا یہ مضمون بھی ملاحظہ ہو۔ قلت یا رسول اللہ این کان ربنا قبل ان یخلق خلقہ قال کان فی عماء فوقہ ھواء وتحتہ ھواء ثم خلق عرشہ علی الماء یعنی ایک شخص نے حضرت رسولخدا ص سے دریافت کیا کہ یا حضرت ہمارا خدا مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا؟ حضرت نے فرمایا ایک سیاہ ابر میں تھا جسکے اوپر بھی ہوا تھی اور نیچے بھی ہوا تھی۔ پھر خدا نے اپنے عرش کو پانی پر پیدا کیا (تاریخ طبری جلد ۱ ص۱۹) کوئی سمجھدار شخص اسکو

مان سکتا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے معاذ اللہ حدیث ارشاد فرمائی ہو جس سے
شرک خدا ثابت ہوتا ہے؟ کیونکہ جب خدا کا مکان تسلیم کیا گیا تو ضروری ہے کہ وہ
مکان (سیاہ ابر) بھی خدا کی طرح قدیم ہو۔ اس طرح دو قدیموں کو ماننا پڑیگا جو
عین شرک و کفر ہے۔

(۶) اسلامی تاریخوں میں علامہ مسعودی کی مروج الذہب کا بھی بڑا درجہ تسلیم کیا گیا ہے۔
جناب مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "ابوالحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی سنہ [illegible]
فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اسکے برابر کوئی وسیع النظر مورخ
پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی تمام
تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی حاجت نہ ہوتی لیکن افسوس ہے کہ قوم کی
بدمذاقی سے اسکی اکثر تصنیفات ناپید ہو گئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو
کتابیں مہیا کیں ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف و التنبیہ مروج الذہب
مصر میں بھی چھپ گئی ہے" (الفاروق صفحہ ۹) مگر یہ کتاب بھی غلط واقعات سے نہیں
بچی۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے "مورخین محدثین مفسرین۔ اور دیگر ائمہ نقل
سے جنکے علوم کی بنا ناقلین کے اقوال پر ہے نقل حکایات و وقائع میں بہت سی
غلطیاں ہوئی ہیں کیونکہ ان کا اعتماد محض نقل پر تھا۔ نہ غلط صحیح میں کچھ تمیز کی۔ نہ
اصول و قواعد کی پابندی کی نہ عادات زمانہ پر خیال کیا۔ نہ رسم و رواج پر نہ ملک کی
حالت پر نہ اصول حکمت پر۔ نہ عالم کے طور و طریقہ پر۔ نہ بجائے خود غور و فکر سے
کام لیا۔ اسی وجہ سے راہ حق سے دور ہوئے۔ اوہام و اغلاط میں پھنسے چنانچہ
مسعودی و دیگر مورخین نے لشکر بنی اسرائیل کی مردم شماری میں لکھا ہے کہ حضرت
موسیٰ علیہ السلام نے جو تیہ میں انکا شمار کیا تو چھ لاکھ سے زائد تھے۔ اس تعداد میں وہ
لوگ نہیں داخل ہیں جن کا سن بیس برس سے کم تھا یا باربرداری کے کام میں تھے۔
بلکہ یہ تعداد اُن لوگوں کی ہے جو لڑنے بھڑنے والے جنگی سپاہی تھے۔ ان مورخین
نے یہ تعداد تو لکھدی مگر اس پر غور نہ کیا کہ مصر و شام کی وسعت کتنی ہے۔ اتنے لوگوں کی

گنجائش بھی ان ممالک میں ہے کہ نہیں۔ اس پر بھی نہ خیال کیا کہ اس تعداد کثیر کے لئے رسد کیونکر بہم پہونچ سکتی ہے۔ اسکی خبر گیری اور نگرانی کیونکر ہوسکتی ہے۔ پھر یہ لوگ صف آرا کیونکر ہوئے۔ معرکہ آرائی کیونکر ہوئی زمین کی وسعت انکی بود و باش ہی کے لئے کافی نہ تھی چہ جائیکہ لشکر کی حیثیت سے الگ الگ پڑاؤ ڈالتے۔ خیمے کھڑے کرتے لڑتے بھڑتے۔ شاہان فارس کا ملک اور انکی دولت ان بنی اسرائیل سے کہیں بڑی تھی ..... باایں ہمہ ان کا لشکر بھی کبھی اس تعداد کو نہیں پہونچا جو بنی اسرائیل کے لشکر کی بیان کیجاتی ہے کیونکہ جنگ قادسیہ سے بڑھکر کوئی جنگ سلاطین فارس کو پیش نہ آئی جسمیں شاہان فارس نے بڑی کوشش سے لشکر جمع کیا تھا اسکی انتہائی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار تھی۔ غرض جب ایسے شہنشاہ فارس کی فوج ایسی سخت ضرورت کے وقت جس سے بڑھکر کوئی معرکہ اس کو پیش نہ آیا کل ساٹھ ہزار یا ایک لاکھ بیس ہزار تھی تو بنی اسرائیل کے لشکر کا چھ لاکھ ہونا کس عقل سے قبول کیا جاسکتا ہے۔ یہی حال تمام مورخین کا ہے۔

انکی یہ حالت ہے کہ نہ ان کو تحقیق کی فکر ہے نہ نقد سے مطلب۔ نہ غلطی کی پروا ہے نہ خطا و لغزش کا خوف۔ نہ کسی بیان میں انکو واسطہ کی ضرورت ہے نہ بیان کرنے والوں کی سچائی۔ راست گوئی۔ نیک نیتی سے غرض۔ نہ بحث ہے نہ تفتیش۔ نہ غور ہے نہ تدبر۔ بے لگام گھوڑے کیطرح کذب و افترا کے میدان میں دوڑتے ہیں۔ قول خدا کے مطابق کہ وہ لوگ خدا کی آیتوں سے تمسخر کرتے ہیں اور جھوٹی حدیثوں کو لہو و لعب سے خریدتے ہیں کہ خدا کی راہ سے گمراہ کریں۔ (مقدمہ تاریخ ابن خلدون مطبوعہ مصر صـ۹)

اغانی ابوالفرج اصفہانی کی حالت

یہ سب اُن مورخین کے حالات تھے جو اسلامی تاریخ کے ستون اور ثقہ محقق اور نہایت معتبر سمجھے جاتے ہیں جب اُن سے ایسی خلاف عقل غلطیاں

ہو گئیں تو بیچارے ابو الفرج اصفہانی کی کتاب اغانی میں جو مہملات ہوں انھیں کم ہی سمجھنا چاہئے۔ اسلئے کہ اسکی تو غرض ہی لہو و لعب اور شہوت رانی کے حکایات و قصص کا بیان کرنا تھی۔ اسی وجہ سے اس کتاب میں پہلے صوت کے عنوان سے اصل گیت کو نقل کرتا ہے اور اسکے بعد غنا سے متعلق راگ راگنی اور ایقاعات کو ذکر کرتا ہے۔ یہاں تک اصل مقصود سے بحث ہوتی ہے۔ اسکے بعد تطفلاً و حکایتاً وہ قصص و حکایات ذکر کرتا ہے جو شعراء اور گانے والوں یا گانے والیوں سے متعلق ہوتی ہیں۔ اس نے خود ہی شروع میں لکھدیا ہے کہ میں نے اسمیں عربی گیتوں اور انکی کہانیوں کو جمع کیا ہے (اغانی جلد ۱ ص ۲) اسی وجہ سے علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کے متعلق لکھا ہے کان ابو الفرج الاصفہانی اکذب الناس کان یشتری شیئاً کثیراً من الصحف ثم یکون روایاتہ کلہا منہا یعنی اصفہانی دنیا بھر کے لوگوں سے زیادہ جھوٹا تھا وہ ادھر اُدھر کی کتابوں سے بہت سی چیزیں خریدتا پھر اُن سب کی روایت انھیں کتابوں سے کردیا کرتا تھا (لسان المیزان مطبوعہ حیدرآباد دکن)

معارف ابن قتیبہ کی حالت علامہ ابن قتیبہ کی کتاب معارف کی روایتیں عقد جناب سکینہؑ کے متعلق لکھی جاچکی ہیں۔ ان مورخ صاحب کے بارے میں علامہ ذہبی فرماتے ہیں قال الحاکم اجمعت الامۃ علی ان القتیبی کذاب۔ ورأیت فی مرآۃ الزمان ان دار قطنی قال کان ابن قتیبہ یمیل الی التشبیہ منحرفا عن العترۃ وکلامہ یدل علیہ یعنی امام حاکم کا قول تھا کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ ابن قتیبہ نہایت جھوٹا تھا۔ اور میں نے کتاب مرآۃ الزمان میں دیکھا ہے کہ امام دار قطنی کہتے تھے کہ ابن قتیبہ تشبیہ کیطرف مائل تھا (یعنی فرقہ مشبہہ کا ہم خیال معلوم ہوتا تھا) اور حضرت رسول خدا صلعم کی عترت سے دشمنی رکھتا تھا اور اس کا کلام اس بات پر دلالت بھی کرتا ہے والذی یظہر لی ان مراد السلفی بالمذہب النصب فان فی ابن قتیبہ الخ انا عن اہل البیت یعنی سلفی نے جو

بن قیقہ کے ناصبی ہونے پر اعتراض کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن قتیبہ ناصبی تھا کیونکہ اس کے دل میں حضرت اہلبیتؑ کی عداوت تھی۔ وسمعت شیخی العراقی یقول کان ابن قتیبہ کثیر الغلط یعنی میں نے اپنے عراقی استاد سے سُنا کہ کہتے تھے ابن قتیبہ بہت کثرت سے غلط بیان کرتا تھا (لسان المیزان مطبوعہ حیدر آباد جلد ۳ صہ ۳۵۹)

وفیات الاعیان ابن خلکان کی حالت

علامہ ابن خلکان کی تاریخ اگرچہ مشہور علماء و مصنفین و امراء و متقدمین کے حالات میں بہت قابل قدر کتاب ہے مگر اسمیں بھی تحقیق سے کام نہیں لیا گیا اور بہت کچھ سُنی سُنائی باتیں بھر دی گئی ہیں۔ جناب مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت شہربانو کے عقد کا واقعہ

"اس موقع پر حضرت شہربانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہوگیا ہے اس کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہوکر مدینہ میں آئیں۔ حضرت عمر نے عام لونڈیوں کیطرح بازار میں ان کے بیچنے کا حکم دیا لیکن حضرت علیؑ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دیجائیں اور اس سے انکی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لیجائے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے خود انکو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امام حسینؑ کو ایک محمد بن ابی بکر کو ایک عبداللہ بن عمر کو عنایت کی۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جسکو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں ربیع الابرار میں اسکو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدینؑ کے حال میں یہ روایت اُسکے حوالے سے نقل کر دی۔ لیکن یہ محض غلط ہے اولاً تو زمخشری کے سوا طبری ابن الاثیر یعقوبی۔ بلاذری۔ ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا اور زمخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے۔ اسکے علاوہ تاریخی قرائن اسکے بالکل خلاف ہیں۔ حضرت عمر کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مطلق قابو نہ

حاصل ہوا۔ مداین کے ہو کے میں یزدگرد مع تمام اہل و عیال کے دار السلطنت سے نکلا اور حلوان پہونچا۔ جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا۔ مرو میں پہونچکر ۳۰ھ ہجری میں جو حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا۔ اسکی آل اولاد اگر گرفتار ہوئے ہونگے تو اُسی وقت گرفتار ہوئے ہونگے۔ مجھکو یہ بھی شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔

اسکے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اُس وقت حضرت امام حسینؑ کی عمر ۱۲ برس کی تھی۔ کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے اور فارس ۱۷ھ میں فتح ہوا۔ اس لئے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علی نے انکی نابالغی میں اُن پر اس قسم کی عنایت کی ہو گی۔ اسکے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہو گی اور حضرت علی نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا۔" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۱۷۳)

اس عبارت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جناب شہربانو کے متعلق جو دوسرے ملک سے آئیں اور انکے آنے میں اسلامی فتوحات اور بڑے لشکروں کا تعلق تھا جس سے واقعہ کا مخفی رہنا بہت مشکل تھا ابن خلکان سے ایسی فاحش غلطی ہوئی تو جناب سکینہؑ کے متعلق جو مدینہ کے ایک گھر میں چھپی بیٹھی رہیں اور تمام عمر اسی حالت میں بسر کردی ابن خلکان کے بیانات میں کس قدر غلطیاں ہو سکتی۔

ناسخ التواریخ کی حالت ناسخ التواریخ فارسی زبان میں اسلام کی ایک مفصل تاریخ ہے اور بہت جامعیت سے لکھی گئی ہے۔ اسکے مولف شیعہ ہیں۔ اسمیں بھی جناب سکینہ کے نکاحوں کو لکھا ہے اور شررصاحب نے اپنی تائید میں اس کتاب کو بھی پیش کیا ہے۔ مگر ناسخ التواریخ عام تاریخ کے اصول پر صرف ایک تاریخی ذخیرہ بنائی گئی ہے کہ مولف نے بہت سی سُنی

اور شیعہ کتب تاریخ کو سامنے رکھ کر جس کتاب میں جو مضمون ملتا گیا اسکو اس کتاب میں درج کر دیا۔ مثلاً یافعی کی مرآۃ الجنان۔ ابو الفرج اصفہانی کی کتاب مقاتل الطالبین سبط ابن جوزی کی تذکرہ خواص الامہ۔ ابن سعد کی طبقات محمد بن طلحہ شافعی کی مطالب السئول ابن صباغ کی فصول مہمہ۔ طبری کی تاریخ الامم والملوک وغیرہ سے بکثرت مضامین لئے ہیں۔ خود مصنف ممدوح نے تصریح کردی کہ "اس کتاب میں مقاتل الطالبین مروج الذہب تاریخ طبری۔ تاریخ اعثم کوفی۔ مقتل ابی مخنف۔ مناقب خوارزمی۔ خواص الامۃ مطالب السئول۔ فصول مہمہ۔ زبدۃ الفکرہ منصوری در تاریخ بنی امیہ۔ روضۃ الشہداء روضۃ الاحباب۔ حبیب السیر۔ وغیرہا سے میں نے حالات جمع کئے ہیں"۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۱۵۷ و ۱۹۱ و ۲۰۳ وغیرہ) غرض صاحب ناسخ کو جس کتاب میں جو عبارت ملی نقل کرتے چلے گئے اور تحقیق سے شاذونادر کام لیا۔ خود شرر صاحب نے بھی اس عیب کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے "اس بارے میں صاحب ناسخ التواریخ سے ایک ایسی موٹی غلطی ہوگئی ہے جو صرف یہی نہیں کہ شان مورخ سے بعید ہو بلکہ یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ ناسخ التواریخ کی تالیف میں کس قدر بے احتیاطی سے کام لیا گیا ہے۔ جناب سکینہؑ کے حالات میں تو لکھدیا ہے کہ آپ کے پہلے شوہر مصعب بن زبیر تھے۔ اور جب آپ کے عقد میں گئی ہیں اُس وقت دوشیزہ تھیں۔ اور امام حسن علیہ السلام کے صاحب زادوں کے بیان میں لکھتے ہیں کہ پسر پنجم امام حسن علیہ السلام عبداللہ بن حسن است ابو الغنائم صوفی کہ از علماء نسابہ است می گوید کہ عبداللہ مکنی بہ ابی بکر بود در یوم طف (کربلا) بدست مردے از بنی عدی شہید شد و حسین علیہ السلام دختر خویش سکینہ را از برائے او تزویج کرد"۔

پس جس کتاب کی بے احتیاطی کی یہ حالت ہو وہ اگر اس اغانی وغیرہ سے جناب سکینہؑ کے نکاحوں کو لکھدے تو اسکے بیان سے کیونکر استدلال کیا جا سکتا ہے؟

ابو الفرج اور شرر صاحب کا خاتمہ | (۱۱) شرر صاحب نے ... مضمون کے ...

حسن مثنیٰ کی شادی کے متعلق لکھا ہے "یہ نکاح خواہ حسن مثنیٰ کے انتخاب ہوا ہو یا جناب
امام حسینؑ نے ارشاد کے مطابق مگر اسمیں شک نہیں کہ عام لوگوں میں بہت کی نگاہ سے
دیکھا گیا اس لئے کہ جناب سکینہؑ کے حسن و جمال کا اس قدر شہرہ تھا کہ لوگ مشکل یقین کر
سکتے تھے کہ کوئی دوسری لڑکی کو آپ پر حسن و جمال میں ترجیح دی جائیگی"۔ اگر غور کیا
جائے تو اسی عبارت سے معلوم ہو کہ ابو الفرج یا ابن خلکان یا شرر صاحب نے جناب
سکینہؑ کے متعلق جو لکھا اُس کا حرف حرف غلط اور محض افترا و بہتان ہے کیونکہ آپ جناب
سکینہؑ کے حسن کا شہرہ بتاتے ہیں حالانکہ واقعہ اسکے خلاف ہے کہ آپکی بڑی بہن
جناب فاطمہؑ ہی حسینہ و جمیلہ تھیں۔ جنکے بارے میں خود حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: وما
فی الجمال فتشبہ الحور العین یعنی فاطمہ حسن و جمال میں حور العین ایسی ہے (اسعاف
الراغبین صفحہ ۲ و مشارق الانوار صفحہ ۵۲ وغیرہ) غرض حضرت اپنی بڑی بیٹی کے حسن و
جمال کو جناب سکینہؑ کے مقابل میں تو اس درجہ کا پاتے ہیں کہ حور سے تشبیہ دیتے ہیں۔
اور جناب سکینہ کے حسن و جمال کا نام تک نہیں لیتے۔ اسکی طرف اشارہ تک نہیں کرتے
پس اگر واقعاً جناب سکینہ میں حسن و جمال ہوتا تو کیوں آپکے پدر بزرگوار جناب فاطمہؑ کے حسن
کو اس طرح بیان کرتے اور جناب سکینہؑ کے حسن و جمال سے بالکل خاموش رہتے؟
(۲) شرر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے "کسی موقع پر بعض اہل کوفہ تحیہ سلام ادا کرنے کے
لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ... آپنے ان کو سامنے بلا کے ارشاد فرمایا: اے
اہل کوفہ خدا علیم و دانا ہے کہ میرا دل تمہاری طرف سے صاف نہیں ہے۔ تم ہی وہ
لوگ ہو جنہوں نے میرے شوہر مصعب کی جان لی۔ اور جب یہ حال ہے تو پھر مجھسے کیوں ملنے
آئے ہو؟

یہ عبارت بھی کس قدر عقل سے دور ہے کہ جناب سکینہؑ اہل کوفہ سے جو جناب عباسؑ،
جناب علی اکبر، جناب قاسم، جناب علی اصغر، آپکے شوہر عبد اللہ اور خود حضرت امام حسینؑ
کو تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کریں اور جناب سکینہؑ وغیرہ کو قید کر کے ہزاروں ذلت و
اذیت کے ساتھ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام لے جائیں ان مظالم کی شکایت نہ

کریں اور مصعب کے قتل کی سازش کریں۔ جو بغیر کسی معیت یا مغلوبیت یا اذیت کے لڑتے ہوئے مارے گئے۔

(۳) شرر صاحب نے جناب سکینہ کے حالات نمبر۲ کے آخر میں اشعب کی حکایت لکھی ہے اسکے ختم پر تحریر کیا ہے "جناب سکینہؑ نے فوراً وہ چار سو دینار اشعب سے واپس لئے اور انہیں تین سو دینار کا چوبینہ منگوائے بڑھیوں کو بلوایا، اور ایک پست اور بڑا ڈربا بنوایا۔ ان باقی ماندہ سو دیناروں میں سے کچھ تو بڑھیوں کی مزدوری میں صرف کئے اور باقی کی سوکھی گھانس منگوا کے اس ڈربے میں بچھوائی۔ اس پر بہت سے مرغی کے انڈے رکھوا دیئے اور سب کو اسمیں بند کر کے حکم دیا کہ تمہاری سزا یہی ہے، کہ ان انڈوں کو بیٹھے سیو"۔ (سکینہ بنت حسین نمبر۲)

اب ملاحظہ ہو کہ دینار کی کیا قیمت تھی۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے تحقیق کی ہے کہ "دینار کم از کم پانچ روپیہ کا ہوتا ہے"۔ (رسائل شبلی مضمون اسلامی مدارس ص ۲۶۷) اس حساب سے معلوم ہوا کہ جناب سکینہ نے صرف ایک شخص کے بیٹھنے کے لئے جو ڈربا بنوایا اسمیں دو ہزار روپیہ اُس زمانہ میں صرف کئے جسکو تقریباً تیرہ سو برس ہوتے ہیں۔ کسی کی عقل اسکو قبول کر سکتی ہے کہ جو لکڑی کا ڈربہ آج چار پانچ روپیہ میں آسانی سے بن سکتا ہے۔ وہ تیرہ سو برس پہلے جب مزدوری بھی بہت کم تھی۔ لکڑی بھی نہایت ارزاں تھی دو ہزار روپیہ میں بنا ہوگا؟ کیا اس سے عقل فوراً یہ فیصلہ نہیں کرتی کہ یہ کل واقعات جو اغانی وغیرہ میں جناب سکینہؑ کے متعلق لکھے گئے طلسم ہوشربا اور داستان امیر حمزہ وغیرہ کے قصوں سے بھی زیادہ خلاف عقل ہیں؟

(۴) شرر صاحب نے ایک جگہ تو یہ لکھا ہے کہ "خود عائشہ بنت طلحہ میں اور آپ میں ایک مرتبہ اس امر پر بحث ہوئی کہ کون زیادہ حسین و خوبرو ہے۔ یہ دونوں خاتونیں اپنے حسن و جمال کے سامنے تمام عورتوں کو ہیچ سمجھتی تھیں۔ آخر دونوں نے عمرو بن ربیعہ کو حکم قرار دیا جس نے فیصلہ کیا کہ عائشہ زیادہ جمیل ہیں اور جناب سکینہ زیادہ

المیع" (سکینہ بنت حسین نمبر ۲) اور دوسرے نمبر میں لکھا "ایک مرتبہ آپکی خدمت میں اس عہد کے مسلم الثبوت شعرا جریر۔ فرزدق۔ کثیر۔ جمیل اور نصیب حاضر ہوئے چند روز کی امید داری اور باہر پڑے رہنے کے بعد ایک دن آپ پردے میں بیٹھ گئیں اور انھیں سامنے بلوایا۔ وہ نت وری کے بعد شعر خوانی کی اجازت کے منتظر تھے کہ ایک خوبصورت لونڈی پردے سے نکلی جو اشعار کی خوبیوں سے ماہر تھی۔ دربار کے حالات عرب پر نظر رکھتی تھی۔ اس نے باہر آتے ہی باری باری ایک ایک شاعر کو اپنے قریب بلایا۔ اس کا کلام سنا بعض اشعار پر نکتہ چینی کی بعض کی داد دی۔ اور ہر ایک کو ایک ہزار دینار دے کے رخصت کر دیا" (سکینہ بنت حسین نمبر ۳) پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سکینہ بے پردہ رہتی تھیں اور بے تکلف نامحرم مردوں کے سامنے ہوا کرتی تھیں۔ مگر دوسرے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو پردے میں اس قدر اہتمام تھا کہ کسی شاعر کو بھی پردے سے باہر نہیں دیکھا۔ اور شاعروں سے خود باتیں بھی نہیں کیں بلکہ لونڈیوں ہی نے فیصلہ کیا اور انعام دیا۔ جناب سکینہ بولیں تک نہیں۔ آخری شاعر سے بھی لونڈی ہی نے کہا کہ "بیوی تمہیں سلام کہتی ہیں" (سکینہ بنت حسین نمبر ۳)

(۵) شرر صاحب نے جناب سکینہ کے حالات وفات میں لکھا ہے "اتنی دیر تک پڑے رہنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ لاش متعفن ہونے لگی۔ یہ حالت دیکھ کے حضرت امام زین العابدینؑ نے خوشبو کا سامان کیا" (سکینہ بنت حسین نمبر ۳) حالانکہ امام زین العابدینؑ تو جناب سکینہ سے ۲۳ سال پہلے انتقال فرما چکے تھے۔ علامہ ابن اثیر ۹۴ہجری کے واقعات میں لکھتے ہیں* وفیھا توفیت سکینة بنت الحسین یعنی اسی سال میں جناب امام حسینؑ کی صاحبزادی سکینہ نے انتقال کیا (تاریخ کامل جلد ۵ صفحہ ۱۷) غرض جب اغانی وغیرہ میں جناب سکینہؑ کے متعلق اس قدر خلاف عقل باتیں لکھی ہیں تو ہم باتیں کیونکر صحیح ہو سکتی ہیں۔

ان افتراؤں کا اصلی سبب

مذکورہ بالا بیانات کے بعد بعض نفس میں یہ تردد پیدا ہوتا ہے کہ پھر جناب سکینہ کے متعلق کتابوں

* وتوفی فی هذه السنة علی بن الحسینؑ یعنی اسی سال امام زین العابدینؑ نے انتقال فرمایا (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۲۲۱)

اور ۱۱۷ھ ہجری کے واقعات میں لکھتے ہیں۔

ہیں یہ روایتیں کیوں گھڑی گئیں۔ تو اسکی وجہ خاندان بنی ہاشم سے بنی امیہ کی مشہور اور قدیم خاندانی عداوت تھی جو زمانہ جاہلیت سے شروع ہو کر کئی سو برس تک قائم رہی اور کسی حالت میں بھی بنی امیہ کے کسی شخص کے دل سے زائل نہیں ہوئی۔ زمانہ حال کے مشہور عالم و محقق اہلسنت جناب محمد بن عقیل تحریر فرماتے ہیں۔ لیس ما اشتملت علیه جوانح معویة من الحقد والحسد والبغضاء لجمیع بنی هاشم والعداوة لهم بل لله تعالی ورسوله صلی الله علیه وآله وسلم ولاهل بیته بغریب ولا مستنکر فان هذه العداوة قد ورثها من امه وابیه کما ورثها بعد بنیه وذویه... کان ابوسفیان فی الجاهلیة اشد قریش عداوة للنبی ص واعظمهم حرصا علی اطفاء نور الله ولم یزل ذلک دابه ودیدنه الی ان ارغم الله انفه بفتح مکه... ان اعمال ابی سفیان کلها ناشئة عن ضغائن جاهلیة واحقاد امویة واوتار شرکیة ولقد صدق من قال فی هذا المعنی ۔ آل حرب اوقدتمو نار حرب۔ لیس یخبولها الزمان وقود ۔ فابن حرب للمصطفی وابن هند۔ لعلی وللحسین یزید ۔ ... فباعوا دینهم بدنیا واسعة وجاه عریض وفرحوا بالحیوة الدنیا وما الحیوة الدنیا فی الآخرة الا متاع... قد ضل بهذه البدعة الشنیعه التی ابتدعها معویة بل انبت بها النفاق فی القلوب خلق کثیر واصیب بدائها جم غفیر۔ فصارت منکرا مألوفا وعادة معتادة... ولم یکن هذا الداء العضال والمنکر المالوف والسنة السیئة الذی اسسه ذلک الطاغیه واتبعه فیه فراعنة بنی امیه مقصورا علی ذوی الشوکة وعامة الناس فقط بل سری سمه الی کثیر ممن یترسم بالعلم والدین وجرهم الی الانحراف عن علی واهل بیته ع ... روی ان اباجعفر محمد الباقر رض قال لم نزل نستذل و نستضام ونقصی ونمتهن ونحرم ونقتل ونخاف ولا نامن علی دمائنا ودماء اولیائنا ووجد الکاذبون الجاحدون لکذبهم وجحودهم موضعا یتقربون به الی اولیاءهم وقضاة السوء وعمال السوء فی کل بلدة فحدثوهم بالاحادیث الموضوعه

المکذوبة ورووا عنه ما لم یقله وما لم یفعله لیغضوا من علی [illegible] صار الرجل الذی یذکر بالخیر ولعله یکون ورعاً صادقاً۔ وقد یحدث احادیث عظیمة عجیبة من تفضیل بعض من قد سلف من الولاة [illegible] ولم یخلق الله تعالیٰ شیئاً منها ولا کانت ولا وقعت وهو یحسب انها حق لکثرة من قد رواها ممن لایعرف بکذب ولا بقلة ورع۔ یعنی معویہ کے دل میں [illegible] بلکہ اسد۔ رسولؐ اور حضرت کے اہلبیتؑ سے جو عداوت کینہ حسد اور بغض کوٹ کوٹ کر بھرا تھا یہ کوئی عجیب اور نئی بات نہیں تھی کیونکہ ان چیزوں کو اس نے اپنے باپ سے میراث میں پایا تھا۔ اسی طرح وہ اپنی اولاد اور اعزہ میں بھی یہ باتیں بطور میراث چھوڑ گیا۔۔۔ زمانہ جاہلیت میں (معویہ کا باپ) ابوسفیان ہی سب سے زیادہ حضرت رسولخداؐ کا دشمن تھا اور قریش میں وہی سب سے زیادہ اس نور خدا کے بجھانے کے لئے بے چین تھا۔ اسکی تمام تر کوشش اور جانفشانی اسی بات کی رہی کہ حضرت رسولخدا صلعم پریشان ہوں۔ یہاں تک کہ فتح مکہ سے خدا نے اسکی تمام آرزوئیں خاک میں ملادیں۔۔۔ غرض ابوسفیان کی کل کاروائیاں جو اس نے آنحضرت صلعم کی مخالفت اور اسلام کے مٹانے میں کیں انھیں کینوں کا اثر تھیں جو زمانہ جاہلیت سے اسکے خاندان میں چلے آتے تھے۔ اور انھیں عداوتوں کا نتیجہ تھیں جو ابتدا سے بنی امیہ کو بنی ہاشم سے رہیں اور اسی بغض و عناد سے ہوئیں جو شرک و کفر کے زمانہ سے اسکے دل میں بھرا ہوا تھا۔ اور بہت اچھا مضمون بیان کیا ہے اس شخص نے جس نے بنی امیہ کی اس عداوت و مخالفت کے متعلق یہ دو شعر لکھے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اے آل حرب (یعنی بنی امیہ) تم لوگوں نے حرب (یعنی جنگ و جدال) کی وہ آگ روشن کردی ہے جو کبھی بجھ نہیں سکتی۔ گویا اس جنگ کی آگ کی ایندھن زمانہ ہے (یعنی قیامت تک یہ آگ روشن رہیگی) چنانچہ حضرت رسولخدا صلعم سے لڑنے کو ابوسفیان رہا تو حضرت علیؑ سے جنگ کرنے کو معویہ اور حضرت امام حسینؑ کا خون بہانے کو یزید ہوا۔۔۔ غرض ان لوگوں نے اپنا دین بیچکر وسیع دنیا اور اسکی شان و شوکت حاصل کرلی اور اس دنیوی

[illegible]گی پر ترجیح دیتے تھے [illegible] کہ آخرت میں دنیوی زندگی بالکل حقیر ہو گئی [illegible] ثابت ہو گئی
معاویہ کا اس مذہبی فساد سے [illegible] کہ اس نے حضرت امیر المومنینؑ پر لعنت کا سلسلہ جاری
کر رکھا تھا، جسکی [illegible] خود تخم ریزی کی بلکہ جس سے اس نے لوگوں کے دلوں میں نفاق
پیدا کر دیا [illegible] بہت بڑی خلقت گمراہ ہو گئی اور اس مصیبت میں جم غفیر مبتلا ہوئی۔ نتیجہ یہ
ہوا کہ اس [illegible] دینی لوگ [illegible] اچھا کام سمجھنے لگے اور انکی طبیعتیں اس کفر و الحاد کی عادی
ہو گئیں... [illegible] عظیم فتنہ۔ اور کھلی ہوئی بے ایمانی۔ اور بڑی آفت جسکی بنیاد اس
بانی فساد امیر معاویہ [illegible] قائم کی اور جسمیں بنی امیہ کے دوسرے فرعون صفت خلفاء بھی
اسکی پیروی کرتے رہے [illegible] صاحبان شوکت و اقتدار یا عامۃ الناس ہی کے طبقہ
میں منحصر نہیں تھی بلکہ اس کا زہر ان لوگوں تک بھی پہونچ گیا تھا جو اہل علم میں شمار ہوتے
اور زاہد [illegible] سمجھے جاتے تھے کہ اس فتنہ نے اس طبقہ والوں کو بھی حضرت علیؑ اور اہلبیت
علیہم السلام کا مخالف بنا دیا تھا... ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ
فرمانے لگے تھے کہ بنی امیہ ہمیشہ اسی کوشش میں رہے کہ ہم اہلبیت برابر ذلیل سمجھے جائیں۔
ہم پر ظلم ہوتا رہے۔ ہم دور کئے جائیں۔ حقیر ہوتے رہیں۔ اپنے حق سے محروم رکھے
جائیں۔ قتل ہوں۔ خوف و ہراس میں بسر کرتے رہیں۔ اور ہمیں کبھی بھی اپنی یا
اپنے دوستوں کی جان کیطرف سے اطمینان نہیں میسر ہو۔ بلکہ جھوٹے مکاروں نے
ہم لوگوں کو اپنے جھوٹ اور فریب کا ایک ذریعہ بنا لیا تھا کہ وہ ہم لوگوں کے خلاف
غلط باتیں مشہور کر کے اپنے حاکموں۔ مذہبی پیشواؤں اور ظالم عاملوں کے ہاں اپنی
عزت بڑھاتے تھے۔ وہ ان لوگوں سے جھوٹی اور موضوع حدیثیں بیان کرتے اور ہم
لوگوں کے متعلق ایسی باتیں مشہور کرتے جن کو نہ ہم لوگوں نے کبھی کہا نہ کسی طرح کر سکتے
تھے۔ اور جو نہ ہم لوگوں کی شان کی ہو سکتی تھیں۔ ان باتوں کی غرض یہ تھی کہ یہ لوگ
ہمیں سب کی نظروں میں قابل نفرت بنا دیں اور لوگ ہم سے بغض رکھنے لگیں....
یہاں تک نوبت پہونچ گئی تھی کہ اچھے اچھے مسلمان جو متقی اور سچے سمجھے جاتے تھے
گزشتہ خلفاء کے فضائل میں ایسی عجیب غریب حدیثیں بیان کرتے جن سے ایک

فضیلت بھی اُن خلفاء میں نہ تھی نہ خواب خیال میں بھی وہ باتیں انکو حاصل ہوئیں مگر وہ لوگ سمجھتے کہ یہ کل روایتیں صحیح ہیں۔ اسلئے کہ جو لوگ سچے اور متقی سمجھے جاتے وہی کثرت سے ان روایتوں کو بیان کرتے تھے (نصائح کافیہ ص۸۲ و ۸۶ و ۱۰۶ او ۱۰۱ و ۱۱۸)

بنی امیہ کی اس عداوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بکثرت حدیثیں وضع کی گئیں اور ان بادشاہوں نے جس بات کو پسند کیا اسکی مدح میں اور جن باتوں یا جن لوگوں کو ناپسند کیا انکی مذمت میں ہزاروں وضعی حدیثوں کا ڈھیر لگا دیا۔ جناب مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے۔ "بنی امیہ کا دور شروع ہوا اور بڑے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی... تمام ممالک اسلامیہ میں گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے... موضوعات اور اغالیط کا ایک دفتر بے پایاں طیار ہوگیا۔ یہاں تک کہ امام بخاری نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ میں سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جسمیں کل ۷۳۹۷ حدیثیں ہیں اُسمیں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کرلیں ... احادیث کا جو دفتر طیار ہوچکا تھا ہزاروں موضوعات۔ اغالیط۔ ضعاف۔ مدرجات سے بھرا ہوا تھا" (سیرۃ النعمان ص۱۵۱) مولوی صاحب موصوف دوسری کتاب میں لکھتے ہیں "بنی امیہ نے حکما علماء سے تصنیفیں لکھوائیں۔ قاضی عبدالبر نے جامع بیان العلم مطبوعہ مصر ص۳۶ میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے کنا نکرہ کتاب العلم حتی اکرھنا علیہ ھولاء الامراء یعنی ہم لوگ علم کا قلم بند کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک امرا نے ہم کو مجبور کیا" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص۱۴) غرض بنی امیہ کے زمانہ میں روح اسلام اور نفس ایمان کے محو کردینے کا جس قدر سامان ممکن ہوسکا مہیا کردیا گیا اور خاص خاندان رسولؐ پر جو عنایت ہوئی اسکو تو کوئی بیان ہی نہیں کرسکتا ہے۔

ابوالفرج صاحب اغانی کا نسب اسی خاندان بنی امیہ سے اغانی کا مصنف ابوالفرج اصفہانی بھی تھا۔ علامہ ابن خلکان نے

اسی نسب اس طرح لکھا ہے۔ ابوالفرج علی بن الحسین بن محمد بن احمد الہیثم بن عبدالرحمان بن مروان بن عبداللہ بن مروان بن محمد بن مروان بن الحکم بن ابی العاص ابن امیہ صاحب کتاب اغانی جد مروان بن محمد مذکور آخر خلفاء بنی امیہ یعنی ابوالفرج اصفہانی جو کتاب اغانی کا مصنف ہے۔ اس کا نام علی تھا۔ یہ بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان کے پوتے کا پوتا تھا۔ (وفیات الاعیان جلد ۱ ص ۳۴۲) ایسا شخص حضرت امام حسینؑ یا آپ کی صاحبزادی جناب سکینہ کے متعلق جو کچھ افترا و بہتان کرے کم ہے۔

ابوالفرج مجنون ہوگیا تھا علامہ ابن خلکان نے یہ بھی لکھا ہے وکان خلط قبل ان یموت یعنی ابوالفرج کا دماغ مرنے کے قبل خراب ہوگیا تھا (وفیات الاعیان جلد ۱ ص ۳۳۵) اب یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے اپنی کتاب اغانی اپنی اسی جنون کی حالت میں لکھی یا صحت دماغ کے زمانہ میں مگر مشہور قول ہے کہ مَنْ جُنَّ مَرَّۃً جُنَّ اَبَدًا یعنی جو شخص ایک مرتبہ مجنون ہوتا ہے سمجھ لو کہ وہ مدۃ العمر مجنون ہوتا ہے۔ اس بنا پر اسکی پوری زندگی اسی جنون یا خبط حواس کی سمجھی جا سکتی ہے۔ جسکے بعد کتاب اغانی واقعہا مجنون کی بکواس ہو جاتی ہے۔

ابوالفرج اور شرر صاحب وغیرہ کے بیانات پر اس قدر تبصرہ غالباً کافی سمجھا جائیگا اب مختصراً جناب سکینہؑ کے باقی حالات لکھے جاتے ہیں۔

پردے کے متعلق جناب سکینہؑ کا اہتمام جناب سکینہ کو پردے کا اس قدر اہتمام تھا کہ اگرچہ واقعہ کربلا کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال یا اس سے کچھ ہی زائد تھی مگر اسلام کے دوسرے احکام کی طرح اسکی بھی آپ کو اسی طرح پابندی تھی جس طرح اس گھر کے بزرگوں کو تھی چنانچہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ وغیرہ علماء مورخین و محدثین نے لکھا ہے کہ سہل بن سعد اس زمانہ میں کسی ضرورت سے دمشق گئے تھے۔ حضرات اہلبیتؑ بھی قید ہو کر اسی وقت

بالاں زینبؑ کی حالت یہ تھی کہ نہ ان کے سر پر چادر تھی نہ اونٹوں پر کجاوے۔ راستہ میں سہل ان اسیران اہلبیتؑ کے قریب پہونچے اور ایک صاحبزادی سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ بولیں سکینہ بنت امام حسینؑ ہوں۔ سہل نے عرض کی اے شاہزادی کوئی کام ہو تو مجھ سے فرمایئے کہ میں آپکی خدمت انجام دوں۔ آپنے فرمایا اے سہل اس شخص سے جو نیزہ پر سر لئے چل رہا ہے کہو کہ اس سر کو ہم لوگوں کے آگے لے چلے تاکہ تماشا دیکھنے والے اسی سر کے دیکھنے میں لگ جائیں اور نامحرموں کی نظر ہم لوگوں پر نہ پڑے۔ سہل فوراً اس شخص کے پاس گئے۔ اسکو چار سو دینار دیئے اور اس سر کو حضرت رسول خدا صلعم کے حرم سے آگے کرادیا (بحار جلد ۱۰ صفحہ ۹۶) جس سے معلوم ہوا کہ جناب سکینہؑ کو اس حالت میں بھی کہ بہت سی مصیبتوں میں گرفتار تھیں اور متعدد امور کے لئے محتاج ہو رہی تھیں سب سے زیادہ جس چیز کی فکر تھی وہ یہی پردہ تھا کہ نامحرموں کی نظر ان مخدرات عصمت و طہارت پر نہ پڑے۔

دمشق میں جناب سکینہؑ کا خواب

جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ وغیرہ علمائے اعلام نے تحریر فرمایا ہے کہ جب حضرات اہلبیتؑ دمشق میں قید کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایک روز جناب سکینہؑ نے یزید سے کہا کہ "اے یزید رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ اگر تو سُنے تو میں بیان کروں۔" یزید نے کہا "بیان کرو کیا دیکھا ہے"۔ جناب سکینہؑ نے فرمایا کہ "رات کو نماز اور دعاؤں وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر تک میں جگتی رہی پھر بہت رونے اور نوحہ وماتم کرنے سے میں تھک کر پڑ گئی۔ اتنے میں آنکھ لگ گئی تو دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور ایک چمکتا ہوا نور آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا ہے وہاں بہشت کی لونڈیاں موجود ہیں اور میں ایک سرسبز وشاداب باغ میں ہوں جسمیں ایک عالی شان محل ہے اس محل میں پانچ نورانی صورت کے مقدس بزرگ چلے جارہے ہیں۔ ان بزرگوں کے پاس بھی ایک لونڈی ہے میں نے بڑھکر اس لونڈی سے پوچھا کہ بتا یہ محل کس کا ہے

اس نے کہا تمہارے دادا باپ امام حسین ہیں خدا نے ان سب ...
عوض یہ جنت عطا کیا ہے۔ تب میں نے پوچھا یہ نورانی صورت لے ...
ہیں؟ اس نے کہا پہلے بزرگ جناب آدم ہیں دوسرے جناب نوح تیسرے جناب ابراہیم چوتھے
جناب موسیٰ پیغمبران خدا ہیں۔ میں نے پوچھا ان حضرات کے درمیان
پانچویں بزرگ کون ہیں جو اپنی ریش مبارک پکڑے ہوئے بہت ہی بے چین ہیں جو
نہایت درد سے روتے اور بہت محزون مغموم ہوتے ہیں۔ اس نے کہا اے سکینہ تم
نہیں پہچانتیں۔ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا یہی تمہارے جد بزرگ حضرت
رسول خدا صلعم ہیں۔ میں نے پوچھا یہ سب کہاں جا رہے ہیں اس نے کہا تمہارے باپ حسین
کے پاس۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں حضرت سے جا کر اپنی مصیبت بیان کروں گی یہ
کہکر میں بڑھی مگر حضرت آگے نکل گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جناب سکینہ نے
فرمایا پھر ایک موتی ایسے چمکتے رنگ اور چاند ایسے نورانی چہرے کے بزرگ دکھائی دیئے
جو بہت درد رسیدہ معلوم ہوتے تھے۔ میں نے اس لونڈی سے پوچھا یہ کون بزرگ
ہیں؟ اس نے کہا یہی تمہارے جد بزرگ حضرت رسول خدا صلعم ہیں میں دوڑ کر حضرت
کے پاس گئی اور کہا اے جد بزرگوار خدا کی قسم ہمارے گھر والے قتل کر دیئے گئے۔ ہم
لوگوں کا خون بہا دیا گیا۔ ہم لوگوں کی ہتک حرمت کر دی گئی۔ ہم لوگ بے کجاوہ کے
اونٹوں پر سوار کر کے پھرائے گئے اور اسی طرح یزید کے پاس لائے گئے۔ یہ سنکر حضرت
نے مجھے گود میں اٹھا لیا اور اپنے سینہ سے لپٹا لیا اور جناب آدم۔ نوح۔ ابراہیم اور موسیٰ
کیطرف متوجہ ہو کر فرمایا آپ لوگ دیکھتے ہیں کہ میری امت نے میرے بعد میرے ذریت
پر کس قدر ظلم کیا۔ لونڈی نے کہا اے سکینہ چپ ہو جاؤ کہ تم نے حضرت رسول خدا صلعم
کو اور رلا دیا۔ پھر وہ لونڈی میرا ہاتھ پکڑ کر محل کے اندر لیگئی وہاں میں نے پانچ جلیل القدر
بیبیوں کو دیکھا کہ خدا نے انکی خلقت عظیم کی ہے اور انکے نور کو تاباں کیا ہے۔ ان
مقدس بیبیوں کے درمیان ایک خاص عالی شان بی بی ہیں جو بہت غمزدہ دکھائی دیتی
ہوتی تھیں مگر وہ صدمے سے اپنے بالوں کو بکھرائے ہوئے تھیں سیاہ کپڑے پہنے تھیں

اور انکے ہاتھ میں ایک خون آلود کرتا تھا۔ جب وہ بیبی کھڑی ہو جاتی تھیں تو انکو دیکھکر دوسری بیویاں بھی کھڑی ہو جاتی تھیں۔ اور جب وہ بیوی بیٹھ جاتی تھیں تو وہ دوسری بیویاں بھی بیٹھ جاتی تھیں۔ ان کو دیکھکر میں نے ایک بی بی سے پوچھا یہ بیویاں کون ہیں جن کے درجہ کو خدا نے اتنا بلند کیا ہے۔ انہوں نے کہا اے سکینہ یہ جناب حوا۔ دوسری جناب مریم۔ تیسری جناب خدیجہ۔ چوتھی ہاجرہ۔ پانچویں سارہ ہیں اور یہ معظمہ جنکے ہاتھ میں خون آلود کرتا ہے اور جنکے کھڑے ہونے سے سب بیویاں کھڑی ہو جاتی ہیں اور جنکے بیٹھنے سے سب بیویاں بیٹھ جاتی ہیں یہی تمہاری دادی فاطمہ زہراؑ ہیں۔ یہ سنتے ہی میں آپکی طرف دوڑی اور کہا اے دادی خدا کی قسم میرے بابا قتل کر دیئے گئے اور میں اس کم سنی میں یتیم بنا دی گئی۔ یہ سنکر حضرت نے مجھے اپنے سینہ سے لگا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر روئیں جس پر دوسری بیویاں بھی رونے لگیں اور سبنے انکو سمجھایا کہ اے فاطمہؑ خدا تمہارے اور یزید کے درمیان فیصلہ کریگا۔ اس خواب کے سننے کے بعد یزید نے اہلبیتؑ کو بلایا اور کہا کہ آپ چاہیں تو یہاں رہیں۔ اور چاہیں مدینہ جائیں۔ ان حضرات نے کہا کہ ابھی تو ہم ذرا کھول کر امام حسینؑ پر روئے نہیں ہیں۔ رونے کی اجازت دے۔ اس نے انکو سامان کر دیا اور چند مکان خالی کرا دیئے۔ وہاں سات روز تک سبنے بڑے زور شور کا ماتم کیا۔ آٹھویں روز پھر یزید نے بلا کر کہا کہ آپ لوگ رہنا چاہیں تو یہیں رہیں مدینہ جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔ ان حضرات نے مدینہ جانا چاہا تو اس نے اسی روز سب کو رخصت کر دیا۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۰ و ۱۱۶)

جناب سکینہؑ کا جود و سخا

باوجودیکہ جناب سکینہ گمنامی اور فقیری کی زندگی بسر کرتی تھیں مگر جود و سخا کی صفت آپ میں بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ چنانچہ جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام حج کو روانہ ہوئے تو آپکی چھوٹی بہن حضرت سکینہؑ نے ایک ہزار درہم حضرت کے پاس بھیجے۔ لوگ اس رقم کو لیکر حضرتؑ کے پاس

اس وقت پہونچے جب حضرت مدینہ سے باہر نکل چکے تھے۔ حضرت نے وہ رقم اسی جگہ اس پوری کو فقرا و مساکین پر تقسیم کر دیا (بحار الانوار جلد ۲ ص ۲۳)

اس روایت سے بھی ثابت ہو کہ جناب سکینہؑ واقعہ کربلا کے بعد زندہ رہیں تب ہی تو آپ نے وہ رقم امام زین العابدینؑ کے پاس بھیجی۔

جناب امام حسین علیہ السلام کے ایک چشمے میں جناب سکینہؑ کا حصہ

جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ اور دوسرے علماء اعلام نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام بہتر ہزار دینار کے مقروض تھے۔ جب حضرت شہید ہو چکے اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام قید سے چھوٹ کر مدینہ میں آئے تو آپ کو حضرت کے اس قرض کے ادا کرنے کی فکر پیدا ہوئی۔ مگر کوئی سامان نہیں نظر آتا تھا۔ اس سے آپ شدید ہم و غم میں بسر کرنے لگے اور دن رات یہی سوچتے کہ کیونکر اس کو ادا کریں۔ یہاں تک کہ حضرت کا کھانا پینا اسی رنج میں چھوٹ گیا۔ نیند غائب ہو گئی۔ اتفاقاً ایک رات آپ کو نیند آگئی تو خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے تم اس قرض کی وجہ سے پریشان نہ ہو خدا نے اس کو بجنس کے مال سے ادا کرنے کا سامان کر دیا۔ حضرت بیدار ہوئے تو گھبرائے اور فرمایا کہ مجھے تو نہیں معلوم کہ میرے والد ماجد کے مال میں کوئی مال ایسا تھا جسکو بجنس کا مال کہتے ہوں۔ یہ کیا چیز ہے اور کہاں ہے۔ جب دوسری رات آئی تو پھر ویسا ہی خواب دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو حضرت نے اپنے گھر والوں سے وہ خواب بیان کیا۔ اس پر ایک بیوی نے کہا کہ آپ کے پدر بزرگوار کا ایک رومی غلام تھا جس کا نام بجنس تھا۔ اس نے حضرت کے لئے مقام ذی خشب میں پانی کا ایک چشمہ نکالا تھا۔ تب حضرت نے اس چشمہ کی جستجو شروع کی۔ یہاں تک کہ چند دن کے بعد اس کا پتہ مل گیا اور یہاں تک کہ ولید بن عقبہ بن ابی سفیان نے حضرت کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پدر بزرگوار کا ایک چشمہ مقام ذی خشب میں ہے جو بجنس کے نام سے مشہور ہے۔ اگر آپ اسکو بیچنا چاہیں تو میں خرید سکتا ہوں

حضرت نے اسکو جواب بھیجا کہ ہاں میں بیچتا ہوں، سکو ... سے والد ... کے عوض
لے لو۔ ولید نے کہلا بھیجا کہ ... سے بیا اور ... میں سے جناب سکینہؑ کے لئے
شنبہ کی رات کا پانی کھینچنا مستثنیٰ کردیا (کہ اس رات کو اس چشمہ سے پانی نکالنے کا
حق ولید کو نہیں رہیگا بلکہ اس مدت میں صرف جناب سکینہ کے لئے پانی نکالا جائیگا اور
اس قدر حصہ کی مالک جناب سکینہ خود رہیں گی، (بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۱۶) اس روایت
سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب سکینہؑ واقعہ کربلا کے بعد قید شام سے چھوٹ کر مدینہ تشریف
لائیں اور حضرت امام حسینؑ کے متروکات سے آپ کو حصہ ملا۔

جناب سکینہؑ کی وفات

اکثر معتبر کتب تاریخ و حدیث میں ہے کہ جناب سکینہؑ نے ۱۱۷ ہجری میں انتقال کیا (تاریخ کامل مطبوعہ مصر
جلد ۵ صفحہ ۱۷ و مرآۃ الجنان مطبوعہ حیدرآباد جلد ۱ صفحہ ۲۵۲ و نور الابصار مطبوعہ
مصر صفحہ ۱۲۶ و تاریخ دول الاسلام ذہبی صفحہ ۶ وغیرہ) اور بعض حضرات نے قید خانہ
شام میں انتقال کرنے کا احتمال پیدا کیا ہے مگر افسوس ہے کہ کسی طرح اسکی تائید
کتب تاریخ و حدیث سے نہیں ہوتی اسلئے کہ کسی ایک کتاب میں بھی جو قابل اعتنا
ہو یہ واقعہ نہیں لکھا ہے اور عقل بھی اسکو تسلیم نہیں کرتی ہے اسلئے کہ قید شام سے
آزاد ہو کر آپکا مدینہ جانا اور وہاں رہنا یقینی ہے۔ جسکی یہ چند وجہیں تو واضح ہیں

(۱) دمشق میں جن دنوں ان حضرات کا قیام رہا اس زمانہ کے مفصل حالات معتبر تاریخ
و حدیث میں موجود ہیں مگر کسی میں جناب سکینہ کے انتقال کو نہیں لکھا ہے۔ اگر یہ حادثہ
اسمیں ہوا ہوتا تو وہ ضرور اسکو بھی لکھتے خاصکر علمائے اہلسنت سے مورخ طبری
تاریخ طبری میں اور مورخ ابن اثیر جزری تاریخ کامل میں اور علمائے شیعہ سے علامہ
مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار میں جنھوں نے کربلا، کوفہ اور شام کے کل مصائب و واقعات
کو اپنی کتابوں میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ ایسا ہوتا تو یہ مصنفین اعلام اس
حادثہ کو قید خانہ شام کی مصیبت عظیمہ قرار دیتے۔

(۲) جناب سکینہؑ ہی کے خواب دیکھنے اور بیان کرنے پر یزید نے حضرات اہلبیتؑ کو

قید سے آزاد کرکے مدینہ جانے کی اجازت دی۔ جسکے بعد ان حضرات نے ایک ہفتہ تک حضرت امام حسینؑ پر نوحہ و ماتم کیا۔ اس سے فارغ ہوکر فوراً مدینہ کو روانہ ہوگئے غرض جناب سکینہ خواب دیکھنے اور یزید سے بیان کرنے کے بعد ایک روز بھی قید خانہ میں نہیں رہیں بلکہ شاید گئیں بھی نہیں۔ پھر قید خانہ میں آپکا انتقال کیونکر ہوسکتا ہے (۳) جب جناب ام کلثوم قید شام سے چھوٹنے کے بعد مدینہ کیطرف متوجہ ہوئیں اور اس میں اپنا مشہور دردناک نوحہ مدینۃ جدنا لاتقبلینا (اے ہمارے نانا کے شہر مدینہ تو ہم لوگوں کا آنا قبول نہ کر) پڑھا ہے تو اسمیں جناب سکینہؑ کی حالت بھی اس طرح بیان کی ہے۔ سکینۃ تشتکی من حر وجد۔ یعنی سکینہؑ حضرت امام حسینؑ کی جدائی کی آگ میں جل رہی تھیں (بحار جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۷) پس اگر اس سے پہلے جناب سکینہؑ کا انتقال قید خانہ شام میں ہوا ہوتا تو جناب ام کلثوم بجائے اسکے انکی موت کا ذکر کرتیں یا اسکو بھی ذکر کرتیں اور انکے مرنے پر بھی رنج کرتیں۔ اسلئے کہ یہ حادثہ ایسا معمولی نہ تھا جسکو یہ حضرات بھول جائیں اور ذکر نہ کریں (۴) اوپر لکھا گیا ہے کہ جناب سکینہؑ نے ایک ہزار درہم حضرت امام زین العابدینؑ کے پاس آپ کے حج کے وقت بھیجا تھا جس کو حضرت نے اُسی وقت فقرا و مساکین پر تقسیم کردیا۔ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد جناب سکینہؑ مدینہ میں پہونچیں اور وہاں مقیم رہیں جس سے آپکے قید خانہ شام میں انتقال کرنیکا احتمال باطل ہوتا ہے (۵) حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد حضرت امام زین العابدینؑ کا مدینہ میں واپس آکر اپنے پدر عالی مقدار کے دَین کے لئے پریشان ہونا اور خواب میں پانی کے چشمہ کی خبر معلوم کرکے اسکو ولید کے ہاتھ فروخت کرنا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ اس نے جناب سکینہؑ کی باری کا دن مستثنیٰ کردیا تھا (بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۱۶) پس اگر جناب سکینہ قید خانہ شام میں انتقال فرماتیں تو ان کا حصہ اس چشمہ میں کیوں چھوڑا جاتا۔

مقام دفن جناب سکینہؑ کے دفن ہونے کی جگہ میں بھی اختلاف ہے۔ طبقات الکبریٰ شعرانی۔ طبقات مناوی۔ سیر شامی۔ سیر حلبی وغیرہ میں مرقوم ہے کہ جناب سکینہ ملک مصر میں بمقام قراغہ یا مراغہ مدفون ہیں یا کہ دمشق میں مدفون ہیں

مگر قول اکثر یہ ہے کہ مدینہ منورہ ہی میں انتقال کیا اور یہیں دفن کی گئیں چنانچہ علامہ یافعی لکھتے ہیں وتوفیت سکینۃ بالمدینۃ الشریفۃ رحمہا اللہ تعالیٰ قلت هکذا ذکر موتہا بالمدینۃ فی کل تاریخ وقفت علیہا یعنی جناب سکینہ رحمہا اللہ نے مدینہ میں انتقال کیا۔ میں کہتا ہوں کہ میری نظر سے جو کتابیں تاریخ کی گزریں سب میں یہی ہے کہ آپ کی وفاۃ مدینہ ہی میں ہوئی (مرأۃ الجنان مطبوعہ حیدرآباد جلد ۱ ص۲۵۳) اور فاضل سید شبلنجی مومن نے لکھا ہے قال الشیخ عبد الرحمان الاجھوری فی کتابہ مشارق الانوار الاکثرون علی ان سکینۃ بنت الحسین ماتت بالمدینۃ یعنی شیخ عبدالرحمان الاجھوری نے کتاب مشارق الانوار میں لکھا ہے کہ اکثر مورخین کا یہی قول ہے کہ سکینہ دختر امام حسین علیہ السلام نے مدینہ میں انتقال کیا ہے (نور الابصار ص۲۶۱) اور فاضل محمد صبان نے لکھا ہے تصریح النووی فی تہذیب الاسماء واللغات بان الصحیح وقول الاکثرین ان سکینۃ بنت الحسین توفیت بالمدینۃ یعنی علامہ نووی نے کتاب تہذیب الاسماء واللغات میں تصریح کی ہے کہ اکثر مورخین کا قول یہ ہے کہ جناب سکینہؑ نے مدینہ میں انتقال کیا اور یہی صحیح قول ہے (اسعاف الراغبین برحاشیہ نور الابصار ص۲۱۲)

تمت

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ
رب العالمین والصلوٰۃ
والسلام علی سیدنا
محمدؐ
وآلہ
الطاہرین